سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر ۶۹

فطرتِ نسوانی

یعنی

پروفیسر ہنری مارٹن فرانسیسی کی کتاب "عورت کا خلق اور مرد اور عورت کے طبعی موازنہ"

کی تلخیص عربی ترجمہ کے ذریعہ سے

جس میں

فلسفیانہ طور پر عورت کی اخلاقی، معاشرتی اور ذہنی تاریخ بیان کی گئی

اور مرد اور عورت کی فطرت و اخلاق کا فلسفیانہ موازنہ کیا گیا ہے

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی رکن دار المصنفین

جس کو

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاء الدین

با جملہ حقوق

مالک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی و مینیجنگ ڈائرکٹر کے اہتمام سے

باہتمام منشی محمد [illegible] پرنٹر [illegible] پریس [illegible] لاہور میں چھپوایا

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین

حسب ذیل اصحاب نے پچیس یا زیادہ حصص خریدے۔ ابھی حصص فروخت ہیں۔ ہر ایک حصہ دار کا نام ہمیشہ کے لئے کتابوں پر لکھا جاتا ہے۔ پچیس یا زیادہ حصے خریدے آپ فوراً قواعد منگا کر حصے خریدلیں۔

ڈائرکٹر صاحبان کے (۱) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بی۔ اے (آکسن) ایل۔ ایل۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا، لاہور (۲) شیخ محمد ممتاز صاحب بیرسٹرایٹ لاء گجرات (۳) سردار محمد عبداللہ خانصاحب افغان انہ بلند شہر (۴) رحمت علی خانصاحب پریذیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ کیلی فورنیا (۵) صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین منیجنگ ڈائرکٹر۔

اعزازی مشیران کے ابوالبرکات حضرت مولانا مولوی عبدالمالک صاحب بہاولپور رئیس اعظم کھوڑی ضلع گجرات (۲) مولانا مولوی عبدالسلام انصاری صاحب رکن دارالمصنفین اعظم گڈھ۔

حصہ داران کے حضرت سجادہ نشین صاحب جلالپور شریف (۲) بابو دیا کھیجہ ہیڈ کلرک سپلائی و ٹرانسپورٹ بوشہر ایران (۳) کپتان جمال صاحب بہادر آئی۔ ایم۔ ایس آگرہ (۴) جمعدار عطا محمد صاحب ساکن بھورہ جالندھر (۵) ایم۔ اے محمد ... خانصاحب ... ہاؤس کالج کیمبرج ... پنجاب پولیس گجرات (۷) چوہدری عالم الدین صاحب آف سہنہ ... ڈاکخانجات لورالائی بلوچستان (۸) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لاء (۹) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور (۱۰) پروفیسر شیخ محمد جمیل ... اورسیر کنوڈ جی آفیسر پی ڈبلیو ڈی (۱۱) رحمت علی خانصاحب پریذیڈنٹ مسلم

فہرست کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً و مصلیاً

دیباچہ

آج ایک مدت کی جد و جہد کے بعد اگرچہ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ بہت کچھ حل ہوگیا ہے تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ عورتوں کے متعلق جو طریقۂ تعلیم و تربیت قائم کیا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے اُن کی حالت کے لئے موزون ہے اور اُس میں مزید اصلاح و ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جہانتک عورتوں کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی حالت کا ظاہری تعلق ہے اس طریقۂ تعلیم و تربیت میں اُس کا کافی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے لیکن اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ہم کو عورت کے تمام جذبات و احساسات اور اخلاق و عادات، غرض اُس کی تمام روحانی کائنات کا دقیق فلسفیانہ مطالعہ کرنا چاہیے۔

خوش قسمتی کے ساتھ ہندوستان کی یہ بدقسمتی بھی ہے کہ یورپ میں جو اصلاحی صدائیں اُٹھتی ہیں، دفعتہً ہندوستان بھی اُن کی آواز بازگشت سے گونج اُٹھتا ہے۔ لیکن یہ صرف اندھا دُھند تقلید ہی تقلید ہوتی ہے۔ اِس لئے یورپ جس اجتہاد فکری اور استقلال عقلی کے ساتھ ان مسائل پر غور کرتا ہے، ہندوستانی

دماغ اُن سے بالکل معرّا نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کا عام مطالبہ بھی یورپ ہی کی تقلید میں کیا جاتا ہے، لیکن یورپ نے اس مطالبہ کے ساتھ جس غور و فکر سے نسوانی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، ہندوستان میں تعلیم نسوان کا بڑے سے بڑا حامی بھی اُن سے بےخبر ہے۔

مجھ کو ابتداء ہی سے عورتوں کی تعلیم و ترقی سے دلچسپی ہے اور اس کے متعلق میں نے قدیم و جدید دونوں قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے، لیکن میں ان دونوں میں کسی کو افراط و تفریط سے خالی نہیں پاتا۔ ایک طرف تو ہمارے قدیم افسانہ نویس ہیں جنھوں نے عورتوں پر ہر قسم کے اخلاقی اور معاشرتی الزامات لگائے ہیں، دوسری طرف دورِ جدید کے انشا پرداز ہیں جنھوں نے ہر میدان میں عورت کو مرد کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے۔ لیکن اگر ان تحریروں کو پیش نظر رکھ کر عورت کا نظام تعلیم و طریقۂ تربیت قائم کیا جائے تو دُنیا کا توازنِ فطری قائم نہیں رہ سکتا۔ قدرت نے اپنے مختلف عطئے دُنیا کی مختلف چیزوں پر تقسیم کر دیئے ہیں۔ اگر ایک چیز قدرت کے کسی عطئے سے محروم ہے تو دوسری چیز کے پاس اُس کا کافی ذخیرہ موجود ہے، اس لئے دُنیا کا فطری توازن صرف اُسی حالت میں قائم رہ سکتا ہے، جب اشیاء میں فطری احتیاج کا مادہ موجود ہو، اور اس فطری ضرورت کی بنا پر دونوں میں توافق و اتحاد کا سلسلہ قائم کیا جائے تاکہ ایک چیز دوسری چیز کے ذریعہ سے اپنی فطری کمی کو پورا کر سکے۔

یہی فطری اصول ہے جس نے عورت اور مرد کو ایک سلسلہ میں مربوط کر دیا ہے۔ عورت میں بعض چیزوں کی کمی ہے جس کے لئے وہ مرد کی محتاج ہے۔ اسی طرح مرد بھی قدرت کے بعض عطیوں سے محروم ہے اور وہ صرف عورت ہی کی مدد سے قُدرت کی اس فیاضی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اِس لئے عورت کا نظامِ تعلیم اور

طریقۂ تربیت نوع انسانی کے لئے صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے، جب
وہ اس سلسلۂ اتحاد یا اس سلسلۂ اعانت و امداد کو کافی طور پر مستحکم کر دے۔ لیکن اس کے
لئے سب سے پہلے ہم کو فلسفیانہ حیثیت سے یہ غور کرنا پڑے گا کہ عورت کی فطرت کیا
ہے؟ اُس کے جذبات و احساسات اور اس کے مخصوص اخلاق و عادات کیا
کیا ہیں؟ کن کن حیثیات سے وہ مردوں کی محتاج ہے؟ اور کن کن حیثیتوں سے
وہ مردوں کو مدد دے سکتی ہے؟ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستان
میں عورت کی ذات پر اس حیثیت سے بہت کم غور کیا گیا ہے، بلکہ خود یورپ میں بھی
بہت کم لوگوں نے متانت، سنجیدگی اور انصاف کے ساتھ اس حیثیت سے عورت کی
ذات کا مطالعہ کیا ہے۔ ہندوستان کی طرح وہاں بھی دو فریق موجود ہیں جن میں ایک
عورت کا سخت حامی اور دوسرا سخت مخالف ہے لیکن بعض منتخب افراد نے اس افراط
و تفریط سے الگ ہو کر عورت کی فطرت، عورت کے احساسات، عورت کے جذبات
اور عورت کے اخلاق و عادات کا دقیق مطالعہ کیا ہے، اور اس لحاظ سے اُن کی تحریروں
نے ان دونوں فریق کے درمیان ایک محاکمہ کی صورت اختیار کر لی ہے پروفیسر
ہنری ماریون آنجہانی کی کتاب "عورت کا خلق اور عورتوں اور مردوں کی فطرت کا
موازنہ" ترجمہ کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کی جاتی ہے، اسی قسم کے
برگزیدہ افراد میں شامل ہیں، پروفیسر موصوف ایک فرنچ مصنف ہیں جو پیرس
کے اخلاقی کالج میں پروفیسری کی خدمت انجام دیتے تھے، اور فن تربیت بالخصوص
لڑکیوں کی تربیت کے امام خصوصی خیال کئے جاتے تھے۔ یہ کتاب درحقیقت اُنکے
اُن لیکچروں کا مجموعہ ہے جن کو اُنہوں نے اس کالج میں دیا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ
سلسلۂ خطبات خود پروفیسر موصوف کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ بلکہ اُن کی وفات
کے بعد شائع ہوا، اور مصر کے مشہور فاضل اور الہلال کے اڈیٹر امیل زیدان نے

فرنچ زبان سے عربی میں اُس کا ترجمہ کیا اور آج ہم اسی عربی ترجمے کی اعانت سے قوم کے سامنے اس فرنچ پروفیسر کے خیالات کو پیش کر رہے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے، تاہم عورتوں کے متعلق تمام اخلاقی اور ذہنی مسائل کا استقصاء کر لیا ہے۔ طرز تحریر اگرچہ بالکل فلسفیانہ ہے اور انشا پردازی کی چاشنی بالکل نہیں پائی جاتی تاہم عبارت نہایت صاف و سادہ ہے اور مختلف اقوال و شواہد نے اُس کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے، ہم نے بھی جہانتک ممکن تھا مطالب کتاب کی توضیح و تشریح میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا لیکن ہم بھی عبارت میں کوئی رنگینی اور دلاویزی نہ پیدا کر سکے، بلکہ اصل مطلب کو سادہ عبارت میں ادا کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ قوم کافی غور و فکر کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے گی اور ان معلومات کو پیش نظر رکھ کر عورتوں کے طریقۂ تعلیم و تربیت کی اصلاح کیطرف متوجہ ہوگی۔

عبد السّلام ندوی

شبلی منزل

اعظم گڈھ

مقدمہ مترجم[لہ]

دو عظیم الشان اجتماعی تحریکیں یعنی تحریک اشتراکیت اور تحریک نسوانی دورِ جدید کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہیں۔ جن میں تحریک اشتراکیت کا اصلی مقصد یہ ہے کہ حقوق و فرائض میں تمام انسان مساوی قرار دیئے جائیں۔ اور مال و دولت اور ملک جائداد کے قبضہ اور نسلاً بعد نسلٍ کے حقوق وراثت نے باہم جو ترجیح و امتیاز قائم کر دی ہے وہ مٹا دی جائے۔ تاکہ ہر عملی آدمی کو اُس کی محنت کا حقیقی معاوضہ مل جائے اور صرف اُنہی لوگوں کو افضلیت و امتیاز حاصل ہو جو خدمت گذاری خلق کی سب سے زیادہ قدرت رکھتے ہوں۔

تحریک نسوانی کا پہلا منشا یہ ہے کہ عورت کو بلند رتبہ بنایا جائے اُس کو غلامی سے آزادی دلائی جائے اور اُس کے تمام مادی اور روحانی حالات کو اس طرح ترقی دی جائے کہ اُس کا منشاء محض اپنے شوہر کی سیرابی یا سامان آرائش ہی نہ ہو بلکہ وہ ایک مستقل ہستی بن جائے جس کی پیدائش کا ایک خاص مقصد ہو۔ جس کے لئے وہ ہمیشہ [illegible] صورت نظر آئے۔

غرض [illegible] تحریک [illegible] کر دینا چاہتی ہے جو طبقات [illegible] طبیعت کے [illegible] ہیں۔ [illegible] دونوں جھگڑے کے [illegible] نوع انسانی [illegible] رہا ہے۔

لہ یعنی اصل زبان۔

اس عظیم الشان کشمکش نے ان دونوں تحریکوں کو ترقی دی ہے اور بہ نسبت گذشتہ زمانے کے چند سالوں میں ہم دوگنا آگے بڑھ گئے ہیں اور ہر ہوشیار شخص کو نظر آتا ہے کہ دنیا ایک عظیم الشان اجتماعی انقلاب کے دور سے گذرنا چاہتی ہے، بایں ہمہ ہم اہل مشرق کے نزدیک ان مسائل کی قدر و قیمت اُس قدر نہیں ہے، جس قدر اہل مغرب کے نزدیک ہے۔ ہمارے اجتماعی اور اقتصادی حالات نے اس مسئلہ کی طرف ہم کو اُس توجہ و التفات کا موقع نہیں دیا۔ جو یورپ و امریکہ میں اس مسئلہ کے ساتھ ظاہر کی جارہی ہے، لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ اُس کی رفتار ترقی کو پیش نظر رکھیں اور مغرب میں اس کا جو انجام ہوگا اُس کو دیکھتے رہیں، تاکہ جب ہم اہل مغرب کے درجہ کو پہنچ جائیں تو اُن کے تجربات سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ کیونکہ موجودہ ترقی کا سیلاب ہم تک لازمی طور پر پہنچنے والا ہے اور اُس کا زمانہ بہت قریب آ گیا ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو زمانۂ گذشتہ کی غیر ترقی یافتہ قوموں کی طرح ہم بھی تمدن جدید کے رفتار ترقی سے الگ ہو جائیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دونوں مسائل میں عورتوں کا مسئلہ ہماری توجہ کا زیادہ مستحق ہے، ہمارے جدید انشا پردازوں میں متعدد اشخاص نے مشرقی عورت اور اُس کی جہالت اور کمزوری کی طرف توجہ کی ہے اور جدید تعلیم یافتہ گروہ نے اُن کی تحریروں میں اور بھی برگ و بار پیدا کئے ہیں۔

ہم اہل مشرق کی حالت کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ ہم عورتوں کے حقوق انتخاب وغیرہ کے مسائل پر بحث کریں۔ ابھی یہ مسائل ہمارے سامنے کئی نسلوں کے بعد پیش ہونگے۔ اس وقت ہماری ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم عورتوں کو اُن کی حالت کے [illegible] تعلیم [illegible] خودداری کے ساتھ اُن کی تربیت کریں کہ اُن کے تمام ذاتی [illegible] کے اخلاق کو ترقی حاصل ہو۔ اگر مشرق کی تقدیر

میں سعادتمندی لکھی ہوئی ہے تو وہ صرف اسی طریقہ سے حاصل ہوگی۔ لیکن چونکہ عورتوں کی ترقی و اصلاح کی جدوجہد سے پہلے کافی طور پر اُن کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کر لینا لازمی ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اُس کا آخری انجام کیا ہوگا؟ اور اُس کی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس بنا پر ہم نے اس کتاب کو عربی دُنیا کے سامنے اس توقع کے ساتھ پیش کرنا چاہا ہے کہ جو لوگ عورتوں کی تہذیب و اصلاح میں مشغول ہیں، اُن کے سامنے ایک چراغ روشن ہو جائے، اور اُس کی روشنی میں وہ اس اہم موضوع کا واضح طور پر انکشاف کر سکیں۔

میں ایک مدت سے ایک ایسی کتاب کے مطالعہ کا مشتاق تھا، جس میں علمی طریقہ پر، عورتوں کے اخلاق، فطرت، اور خصائل و عادات کی تشریح کی گئی ہو، لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تھی، لیکن گذشتہ موسم گرما میں مجھے یہ کتاب ہاتھ آگئی اور میں نے اس کا مطالعہ کیا تو وہ مجھے نہایت پسند آئی، اگرچہ بہت سی عمدہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کے قابل تھیں، لیکن میں نے اُن سب کو چھوڑ کر اس کتاب کا انتخاب اس لئے کیا کہ وہ آسان اور قریب الفہم ہے اور اسی کے ساتھ علمی طریقہ پر لکھی گئی ہے۔

اس کتاب کے مؤلف ہنری ماریون ہیں جو پیرس کے اخلاقی کالج کے پروفیسر تھے۔ اور علم تربیت، مخصوص لڑکیوں کے طریقۂ تربیت کے عالم خصوصی خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ یہ کتاب درحقیقت اُن لکچروں کا مجموعہ ہے جو پروفیسر موصوف نے اُس کالج میں دئیے اور اُن کی وفات کے بعد شائع ہوئے، مؤلف نے اگرچہ اجمالاً اس صنف لطیف کے اخلاق کا عام مطالعہ کیا ہے، تاہم حالات کے لحاظ سے اُنھوں نے زیادہ تر توجہ فرنچ عورت کی طرف مبذول کی ہے لیکن یہ بھی ہماری

خوش قسمتی ہے کہ مشرقی عورت اخلاق و عادات کے لحاظ سے اصولاً فرنچ عورت سے بہت زیادہ مشابہ ہے ۔

لیکن اس کتاب کے پڑھنے والوں میں دو فریقوں کو وہ پسند نہ آئیگی، ایک تو قدیم گروہ جو مولف پر یہ نکتہ چینی کریگا کہ اُسنے عورتوں کی حیثیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے دوسرے وہ شریف عورتیں، جو عورتوں کے بعض اُن اوصاف کو ناپسند کرینگی جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے لیکن میں قدیم گروہ سے یہ کہتا ہوں کہ اب پُرانے جُبتے کے اُتارنے کا وقت آگیا ہے، اور اس زمانے میں ہم کو عورتوں کے معاملے میں اپنے قدیم نقطۂ نظر کو بدل دینا چاہئے۔ اور شریف عورتوں سے میں اُن اوصاف پر معافی چاہتا ہوں، جو اُن کی آنکھوں میں تنکے کی طرح کھٹکتے ہیں، لیکن اس کتاب کے مطالعہ کرنے والی عورتوں کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مجمع کمالات صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ اور انسان فطرۃً ضعیف پیدا کیا گیا ہے، بالخصوص فضائل ورذائل ہمیشہ باہم دست گریبان رہتے ہیں، یعنی جس چیز کو ہم ایک حیثیت سے فضائل میں شمار کرتے ہیں۔ وہ دوسری حیثیت سے رذائل میں محسوب ہوتی ہے، لیکن جب تک ہم کتاب کے اصلی مغز تک نہ پہنچ جائیں ہم کو اُس کے بعض فقروں سے استنباط نہیں کرنا چاہئے ۔

جو لوگ عربی زبان میں علمی کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں اُنکی مشکلات کی تشریح ضروری نہیں معلوم ہوتی، ہم نے خود مولف کے دقیق مطالب کے ادا کرنے میں سخت تکلیف برداشت کی ہے، ہم نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ صرف اُن چند مقررہ الفاظ پر اعتماد کرلیں۔ جو فرنچ مصطلحہ الفاظ کے مطالب کو ادا کرسکتے ہیں، بلکہ ہم نے الفاظ کے ترجمہ سے پہلے ہمیشہ مولف کے اصل خیال کے ترجمہ کا لحاظ رکھا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فطرتِ نسوانی

پہلی فصل

تمہید

عورت کے مناسب حال تربیت کا مسئلہ صرف اُسوقت واضح ہوسکتا ہے، جب ہم بہ ترتیب پہلے اُس کے موجودہ خصائص فطری کو پیش نظر رکھیں اس کے بعد اُس کے مخفی خصائص پر نگاہ ڈالیں یعنی یہ کہ وہ اس حیثیت سے اب تک کس درجہ کو پہنچ چکی ہے؟ اور آئندہ کس منزل میں قدم رکھنے والی ہے؟ اس بنا پر عورت کی ترقی و اصلاح کی کوشش سے پہلے اُس کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرنا لازمی ہے، اس کے بعد اس پر بھی نظر ڈالنی ضروری ہے کہ وہ آئندہ کس حد تک ترقی کرسکتی ہے؟

اور یہی اِس کتاب کا اصلی موضوع ہے۔

مباحث کتاب

اِس کام کے شروع کرنے سے پہلے ہم کو اُن مباحث پر بھی ایک عام نگاہ ڈالنی چاہئے، جن سے تعرض کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ عورتوں کے اخلاق کا عموماً، یا کسی معین زمانہ یا کسی متعین مقام کی پابندی کی بنا پر خصوصاً، دو اساسی مؤثر پر دارمدار ہے، ایک

(۱) اُن کی گذشتہ اجتماعی حالت، کیونکہ اُن کے اخلاق و عادات، اور جذبات احساسات کا بہت بڑا حصہ اُن کی صدیوں کی گذشتہ طریقہ تربیت، اور طریقہ معاشرت سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے

(۲) اُن کی ترکیب جسمانی، یعنی اُن کے اعضاء کی ساخت کیا ہے؟ اور اُن کے فرائض کا اُن کے مزاج پر کیا اثر پڑا ہے؟ یہ ایک ایسا مؤثر ہے جو پہلے مؤثر سے زیادہ طاقتور اور اہم ہے، اِس لئے ہم کو سب سے پہلے انہی دونوں مؤثروں پر غور کرنا چاہئے،

پہلے مؤثر یعنی مؤثر اجتماعی کے متعلق ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے، کہ گذشتہ زمانہ میں عورت کا کیا حال تھا؟ تاکہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ گذشتہ زمانوں میں عورت کے حالات میں کیا کیا انقلابات پیدا ہوئے؟ اور اُنھوں نے اُس کے اخلاق پر کیا اثر ڈالا؟ اسی بحث کے ضمن میں ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ مرد اور عورت دونوں نے کیونکر آہستہ آہستہ اپنے اجتماعی فرائض اپنے لئے مخصوص کر لئے، اور ہر ایک نے مختلف مشاغل کو لے کر اپنا دائرہ عمل محدود کر لیا، جو لوگ عورت اور مرد میں مماثلت تامہ کے مدعی ہیں، ہم کو اس بحث سے اُن کے دعوے میں شک پیدا کرنے کا

بھی موقع مل جائے گا، کیونکہ اس سلسلے میں ہم پر واضح ہو جائے گا، کہ اس قسم کی مشابہت فطرت کے مخالف، اور قدیم زمانہ سے انسانی ترقی کے منافی ہے،

باایں ہمہ ہم کو دوسری حیثیت سے یہ نظر آئیگا کہ عورت فرائض و اعمال میں اگرچہ بتدریج مرد سے مختلف و متمائز ہوتی گئی، تاہم اُس نے ہمیشہ مردوں کی سی بلند رتبگی حاصل کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ پہلے خود مرد کی نگاہ میں اُس کی مماثل ہو گئی۔ پھر قانون اور عرف عام نے اُس کو مرد کے مماثل تسلیم کیا۔ یہ دونوں باتیں باہم متناقض نہیں ہیں، کیونکہ جس طرح مساوات فی الدرجہ سے فرائض و اعمال میں مماثلت ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح عملی امتیاز سے باہم فرق مراتب نہیں ثابت ہوتا بہرحال ہمارے لئے عورتوں کے اس دعوی کی تردید محال ہے کہ مرد اور عورت کے خلق میں جو فرق نظر آتا ہے اُس کی بنا پر اگرچہ دونوں کے اجتماعی فرائض بھی مختلف ہونے چاہئیں، تاہم بعض حیثیتوں سے یہ اخلاقی تفریق خود ان مختلف فرائض نے پیدا کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس خیال میں اسقدر غلو سے کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک فطرت نے مرد اور عورت دونوں کو یکساں قوتیں عطا کی ہیں، اور ان دونوں میں جو فرق نظر آتا ہے اُس کو عادت اور قانون نے پیدا کیا ہے لیکن تھوڑے سے غور کے بعد ہم کو اس خیال کی مبالغہ طرازی معلوم ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر خود فطرت کا کوئی ماخذ یا اصول نہیں ہے، تو خود قانون اور عادت کے موجودہ رتفاق و حالت کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

باایں ہمہ اس میں شبہ نہیں کہ عادت اور قانون نے دونوں جنسوں کے حقیقی فروق و امتیازات کو بہت بڑھا دیا ہے اور دونوں کی منزلوں کو بہت دور کر دیا ہے، اور چونکہ قوانین اکثر مردوں کے بنائے ہوئے ہیں، اس لئے ہم کو اُس عورت کے قول کو کسی قدر صحیح تسلیم کرنا پڑے گا، جس نے ان الفاظ میں عورتوں کی طرف سے

مدافعت کی ہے کہ "ہمارے تمام مصائب مردوں کے مجرمانہ افعال سے پیدا ہوئے ہیں" کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے موثر یعنی جسمانی اور تشریحی موثر کے متعلق ہم کو نہایت دقیق النظری سے کام لینا چاہئے، کیونکہ اس میں بعض مصنفین نے عظیم الشان غلطیاں کی ہیں، اور اس حیثیت سے عورت میں ایسے معائب نکالے ہیں جو بالکل خلاف واقع ہیں مثلاً میشلہ نے ہمارے سامنے عورت کی جو تصویر پیش کی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت فطرۃً مریض پیدا کی گئی ہے،

بایں ہمہ یہ ایک عظیم الشان بحث ہے، اِس لئے ہم کو ہمیشہ مرد اور عورت کے طبعی فروق و امتیازات کی اہمیت کا لحاظ رکھنا چاہئے، کیونکہ جیسا کہ موسلی کا قول ہے، "جنسیت تربیت سے زیادہ پائدار چیز ہے" یعنی فطرت نے عورت کو جو امتیازی خصوصیات عطا فرمائی ہیں، وہ اُن اوصاف سے زیادہ پائدار اور عمیق ہیں جو وہ تربیت سے حاصل کرتی ہے، اس بنا پر کسی کے دل میں یہ اندیشہ نہ پیدا ہونا چاہئے کہ عورت تعلیم و تربیت کے اثر سے مرد بن جائیگی، کیونکہ انسان فطری حدود سے تجاوز کر ہی نہیں سکتا،

اگر ہم اُن حقیقی موثرات کا استقصار کریں جن سے عورت کے خلاف متاثر ہوئے ہیں تو ہم نہایت آسانی کے ساتھ اُس کے اخلاق کا مطالعہ کرسکیں گے، کچھ لوگ اِس قسم کے اخلاقی مطالعہ کی کوشش کو ایک ایسی دلیری سمجھتے ہیں، جس سے عہدہ برا ہونا آسان کام نہیں ہے، یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ عورت کے اندر جو خصوصیات مخفی ہیں، اور اُس کی حالت میں جو انقلاب ہو رہا ہے کیا اُس کے لحاظ سے اُس کے ممیزات کی تحدید اور اُس کے اخلاق کی توضیح ممکن ہے؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک عورت کے اخلاق سے واقف ہونا تو بے شبہ نہایت مشکل ہے اور

آگے چل کر اس کا سبب بھی معلوم ہو جائے گا، لیکن اگر عورتیں احساس، ذکاوت، اور عام معاملات میں مردوں سے ممتاز ہیں، تو دونوں جنسوں کے مقابلہ سے اجمالی طور پر نہایت آسانی کے ساتھ ان چیزوں کی توضیح ممکن ہے۔

اس کتاب کا بہت بڑا حصہ اسی بحث پر مشتمل ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ اساسی اصول معلوم ہو جاتے ہیں، جن پر عورت کی تربیت و تہذیب کی بنیاد قائم کرنا چاہئے اس کے علاوہ یہ بحث بجائے خود نہایت دلچسپ اور لطیف ہے، اس مقابلہ کے بعد ہم کو عورت کے انجام و مآل کار کے متعلق بھی کچھ لکھ دینا مناسب ہے، یعنی ہم کو صرف یہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ عورت زمانہ گذشتہ میں کیا تھی؟ اور زمانہ حال میں کیا ہے؟ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ آئندہ کیا کچھ ہو سکتی ہے؟ اور اس کو کیا کچھ ہونا چاہئے؟ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے گا، تو ہم اس تربیت کی حقیقت کو سمجھ سکیں گے، جس کے ذریعہ سے عورت اپنے اس مقصد زندگی کو حاصل کرے گی، کیونکہ ذرائع کا انتخاب اس کے انجام کار پر موقوف ہے،

اسی ضمن میں ہم کو تحریک نسوانی سے بھی مکمل بحث کرنا ضروری ہے، کیونکہ تحریک کا بہت بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اور تمدنی سوسائٹی میں اس نے ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے، جس کے ذریعہ سے عورت نے ایک ایسی پوزیشن حاصل کر لی ہے جس کا تصور زمانہ گذشتہ میں نہیں ہو سکتا، لیکن باایں ہمہ نسوانی مسائل بہت پیچیدہ اور مضطرب کی حالت میں ہیں، اور اس موضوع پر اب تک لوگ متفق نہیں ہو سکے ہیں، تاہم اس بات میں شبہ نہیں کہ دور جدید میں یہ تحریک عظمت اور قوت حاصل کرتی جا رہی ہے، بالخصوص یورپ کے اکابر مصنفین و اکابر فلاسفہ مثلاً جان اسٹوارٹ مل وغیرہ نے اپنے اثر اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے اس مسئلہ کو نہایت قوی کر دیا ہے،

ماخذ کتاب

اسوقت اس مسئلہ پر بھی غور کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث میں ہم کو کن ماخذوں پر اعتماد کرنا چاہئے اور ہمارے لئے کونسی روش اختیار کرنا موزوں ہوگا،

عورتوں کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اگرچہ بہت ہیں، لیکن باوجود اس کثرت کے ہم نے حسب عادت اس کتاب کے شروع میں اُن کی فہرست نہیں دی ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم نے اُن کا مطالعہ نہیں کیا ہے، یا اُن کے مطالعہ سے فائدہ نہیں اُٹھایا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے موضوع باہم مختلف ہیں اور اُن کے مسائل پراگندہ و متعدد ہیں، اس لحاظ سے اگر کوئی شخص پوری کتاب کا مطالعہ کر جائے تو اُس کو کام کی بہت کم باتیں ملیں گی اور منطقیانہ طرز بحث و استدلال سے تو کتاب کا اکثر حصہ خالی نظر آئیگا شائد اس کتاب کا بہترین سرمایہ علمائے اخلاق مثلاً لا بردییر، لاروشفوکو، لبکاں، بالخصوص فنلن، میڈم نرودی سوسور اور میڈم دی رموزا کی تصنیفات ہیں جنہوں نے تربیت بنات کو اپنا موضوع قرار دیا ہے، اُن سے بھی زیادہ خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ قابل الذکر ہیں جن کو اپنے مذہبی عہدہ (کلرجی) کی بنا پر عورت کے اسرار قلب پر نہایت آسانی کے ساتھ واقف ہونے کا موقع ملا ہے، مثلاً مونسٹیور اور دوپانلو۔

لٹریری کتابوں مثلاً مختلف قسم کے ناولوں کا مطالعہ بھی اگر غور سے کیا جائے

۱؎ رومن کیتھولک مذہب میں یہ دستور ہے کہ مرد اور عورت ایک گھر میں جا کر عیسائی مذہبی عہدہ داروں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں جس طرح یہ لوگ مرد اور عورت کے مخفی اسرار سے واقف ہو جاتے ہیں ۱۲

تو بعض مفید باتیں مل سکتی ہیں، اور اس کے ساتھ یہ کتابیں اُن کتابوں سے زیادہ
موجب بصیرت ہیں، جن میں عورتوں کی مدح وذم صرف مدح وذم کے لئے کی جاتی ہے
اور اس معاملہ میں کسی صحیح علمی اصول پر اعتبار نہیں کیا جاتا مثلاً فرانس کے ایک مشہور
انشاپرداز بوسویہ نے عورت کی تنقیص اس بنا پر کی ہے کہ وہ مرد کے پہلو سے نکلی
ہے۔ وہ ایک معمولی ہڈی[۱] سے اُس کا قالب تیار ہوا ہے، لیکن عورتوں کے حامیوں
نے خود اسی قصے سے عورت کا تفوق ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے سب سے
پہلے ایک کم درجہ کی مخلوق کو پیدا کیا، پھر اس سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق کو جامۂ
خلعت پہنایا، اس بنا پر جس طرح حضرت آدمؑ کو تمام مخلوقات پر شرف حاصل ہے
اسی طرح حوّا کو جو اُن کے بعد پیدا ہوئیں اُن پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ وہ اُن
سے زیادہ مکمل اور ترقی یافتہ ہیں، مثلاً وہ ایک ہڈی سے پیدا کی گئی ہیں، اور
انسان کے اجزاءِ جسمانی میں ہڈی سب سے زیادہ مضبوط جزو ہے، بلکہ اُن کی
پیدائش بھی جسم کے اس اشرف ترین حصے سے ہوئی ہے، جہاں انسان
کے دل کی جگہ ہے، بعض لوگوں نے اسی قسم کی ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت
مسیح علیہ السلام جو عیسائیوں کے نزدیک خدا کے بیٹے ہیں، مرد کی شکل میں آئے
عورت کی شکل میں اُن کا ظہور نہیں ہوا، لیکن دوسرا فریق اس کا یہ جواب دیتا ہے
کہ انہوں نے مرد کا قالب بھی انتہائی خاکساری سے اختیار کیا، اسی قسم کے
اور بھی بہت سے اقوال ہیں، جن کا مطالعہ دلچسپی کے لئے تو کیا جا سکتا ہے، لیکن
اُن کو کسی مفید بحث کا سنگ بنیاد نہیں قرار دیا جا سکتا، اس امر کو فراموش نہیں کرنا
چاہئے کہ عورتوں کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کو زیادہ تر مردوں نے لکھا ہے

---

[۱] روایات میں آیا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، لیکن اس بنا پر اُس کے ساتھ رفق وملاطفت کی تعلیم دی گئی ہے، اس کو ذلیل نہیں بتایا گیا ہے۔

لیکن اگر ان کتابوں کی مصنّف خود عورت ہوتی تو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا، بلکہ جبوقت اُس کو کبھی اظہار رائے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ مرد کے سامنے شکایتوں کا ایک دفتر کھول دیتی ہے، اور اس پر استبداد اور خود غرضی کا الزام لگاتی ہے،

اِس باب میں مینے جن کتابوں کا مطالعہ کیا اُن میں مجھ کو اُن پادریوں کی نصیحتیں سب سے زیادہ کم وقعت نظر آئیں، جنھوں نے عورتوں کے ساتھ دشمنی کرلی ہے، اور اُس کی معاشرت سے لوگوں کو روکا ہے، بلکہ اُس کے پاس تک بھٹکنے کو ناجائز قرار دیا ہے، گویا اُن کے نزدیک وہ ایک نجس اور خوفناک مخلوق ہے، لیکن اُنہوں نے اس طریقے سے ہمارے سامنے ایک ایسی دیوار کھڑی کردی ہے جس کے آڑ میں عورت کی علمی حقیقت بالکل چھپ گئی، بہرحال بدگوئی کو کوئی فیصلہ نہیں کہہ سکتا اور اُس کو بحث و مطالعہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ میرے خیال میں اس قسم کی باتوں سے عورتوں کی عزت افزائی ہوتی ہے، اور اُن کے اقتدار کا اعتراف کیا جاتا ہے، مثلاً عورت کو "شیطان" کہنا، یا اُس کو "شیطان کی مشعل" اور "دروازۂ جہنم" کا خطاب دینا یا ترتولیاں کے اس قول کی تائید کرنا کہ "عورت کا دیکھنا بُرا، سُننا بُرا، اور چھونا خطرناک ہے"، یا پادری سپیربان کی طرح عورت کے گانے پر گھونگھے کی سیٹی کی آواز کو ترجیح دینا، یا جامعہ کے اِس قول کو دوہرانا "میں نے عورت کو جو خود پھندا ہے، جس کا دل جال ہے، اور جس کے دونوں ہاتھ ہتھکڑی ہیں موت سے زیادہ تلخ پایا"، عورت کے سطوت و اقتدار پر دلالت کرتا ہے خود ان اقوال کے قائلین کے انصاف و صداقت پر دلالت نہیں کرتا، اگر بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ عورت مرد کے لئے ایک مصیبت انگیز چیز ہے، تو ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ عورت کے لئے مرد بھی مصیبت انگیز ہے، کیونکہ ایک کا اثر دوسرے کی ذات پر پڑتا رہتا ہے، اگر عورتوں کی برائیوں سے ہموزن ہمارے پاس بھی کوئی چیز ہے

تو یہی وہ بُرائی ہے جو ہم عورتوں کے لئے پیدا کرتے ہیں۔

ان اسباب کی بنا پر اس بحث میں ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم ان تمام مزخرفات کو نظر انداز کردیں، اسی طرح ہم لٹریری کتابوں سے بھی صرف اس لئے مدد لینگے کہ وہ ان مسائل کی بحث وتحیص کے لئے ہم کو آمادہ کرتی ہیں، ورنہ خود اُن کے مباحث پر ہم اعتماد نہیں کرسکتے، ہمارا اصلی ماخذ صرف فطرت، تاریخ، علم اور اجتماعی زندگی ہے جس کے مناظر روزانہ ہم کو نظر آتے رہتے ہیں،

رُوح کتاب

اب ہم اُن اصول کو جن پر ہم نے اس بحث میں اعتماد کیا ہے، اور اُس عام رُوح کو جس سے ہم اپنے مباحث میں رہنمائی حاصل کرینگے بیان کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ موضوع کی جزئیات سے پہلے ان مسائل کا جواب دیدینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ جیسا کہ علم تاریخ، علم النفس، اور علم تشریح کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، عورتوں میں بہت سے نقائص، اور بہت سی کمزوریاں ہیں، لیکن با ایں ہمہ وہ ایک مستقل شخصیت رکھتی ہے، یعنی مرد کی طرح اُن کے پیدا کرنے کی ایک خاص غرض ہے، جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ ایک متستمر حرکت کرتی رہتی ہے، اگر ہم مرد اور عورت کے جسمانی اور عقلی فروق و امتیازات کو تسلیم بھی کرلیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دونوں کی قدر و قیمت میں بھی فرق ہے، کیونکہ قوئ فطریہ کا اختلاف دونوں کے مساوی الرتبہ ہونے میں مانع نہیں ہے، بلکہ خود فطرت نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کردیا ہے، اور ہر ایک کے لئے ایک محدود میدان عمل تیار کردیا ہے، اس لئے، عورت اور مرد میں اس تقسیم عمل ہی کی بنا پر ایک درجہ مساوات قائم ہے، اس کے علاوہ ان دونوں کے درمیان اصولی طور پر ایک رشتہ اتحاد قائم ہے، جس نے دونوں کو

ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو دونوں کا اتحاد و ایتلاف ناممکن ہو جاتا، وہ دونوں انسانیت کے دو جزو ہیں جن سے انسانیت کی ترکیب ہوتی ہے، اور اس لحاظ سے انسان کو بحیثیت انسان کے جو بھی حقوق حاصل ہیں، اور اُس پر جو اولین فرائض عائد ہوتے ہیں، اُن میں وہ دونوں باہم شریک ہیں، اگر ہم عورت پر اس حیثیت سے نگاہ ڈالیں، تو ہم کو اُس کے اصلی منصب کے عطا کرنے میں بخل نہ ہوگا، اور ہم اُس کی انسانیت اور جسمانی عقلی اور تمدنی حیثیت سے اُس کی زندگی کے لذت بخش حصہ کے نشوونما دینے میں تذبذب نہ کر سکیں گے۔

اگرچہ جدید علم الاجتماع کے رو سے میں یہ تسلیم کروں گا کہ مردوں اور عورتوں کی ترقی کا معیار صرف تقسیم عمل ہے، لیکن ایک خالص عالم اخلاق ہونے کی حیثیت سے میں صرف اُس درجہ عزت کو معیار قرار دونگا جس کو عورت عادت، قانون اور رائے عام کی قائم کی ہوئے معنوی مساوات کے لحاظ سے حاصل کر سکتی ہے، یہ ایک ایسا اصول ہے کہ عورت کی تربیت کے متعلق اس سے عظیم الشان نتائج نکلتے ہیں، کیونکہ اس لحاظ سے اُس کو کمل زندگی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اچھی طرح تیار کرنا چاہئے، تاکہ وہ فرض و ذمہ داری کا صحیح اندازہ کر سکے، دوسرے الفاظ میں اُس کو صرف مرد کے خوش رکھنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے کے لئے، تیار کرنا نہیں چاہئے، بلکہ اُس کو کامل تربیت دینا چاہئے، اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ مرد کی اطاعت عورت کا فرض ہے تو اِس اطاعت کا ظہور رضامندی کے ساتھ ہونا چاہئے، جبر کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے، اگر عورت میں کمزوری ہے تو وہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اُس کو علم و حقیقت کی لذت سے محروم کر کے، صرف مردوں کی خواہش و رغبت کے موافق بنا دیا جائے، بلکہ ہم کو فنلن کی طرح یہ کہنا چاہئے کہ "عورتیں جسقدر کمزور ہیں، اُسی قدر اُن کو قوی بنانا ہمارا فرض ہے" اور عورت کی معنوی زندگی کے ترقی دینے کا صرف

ذریعہ ہے، کہ اس کے اندر صحیح اصول راسخ کئے جائیں، اور قوتِ فیصلہ اور قوتِ تمیز کے ساتھ اس کی تربیت کی جائے، اور اس کے سامنے ایک ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا جائے جس کو وہ اپنے احساس، عقل اور ارادہ کے ساتھ اپنا مطمح نظر بنائے۔

میڈم مودی ریمونزا کا قول ہے "جب تک عورت کی عقل اس طرح مقفل رہیگی تمام خیالات کا اثر اس کے اندر ہوسکے گا وہ محفوظ نہیں رہ سکتی، جب وہ زمانہ آئیگا جس میں عادت و تقلید کا اقتدار زائل ہوجائیگا، اور یہی دونوں چیزیں عورت کی حفاظت کرتی تھیں، تو وہ کس راہ پر چلے گی، اور اپنی ہدایت وحفاظت کے ذریعہ کو کھو کر کونسا راستہ اختیار کریگی؟" اور وہ ہمارے اس زمانے پر شدت کے ساتھ منطبق ہوتا ہے۔ آج ہر قدیم چیز کے ستون متزلزل ہوگئے ہیں اور اس زمانہ کی مخصوص روح آزادی عورتوں میں بھی سرایت کرگئی ہے، آج وہ اخبارات کا مطالعہ کرتی ہے، تھیٹروں میں جاتی ہے، اس کے گرد و پیش جو کچھ کہا جاتا ہے اس کو سنتی ہے، اور اس کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے اس کو دیکھتی ہے، غرض مختصر الفاظ میں موجودہ فضا کے اندر جس قدر برے بھلے عناصر موجود ہیں، وہ مجبوراً ان میں سانس لیتی ہے اور مرد اس کو پسند کریں یا نہ کریں لیکن اس زمانہ میں عورتوں کی یہ آزادی سلب نہیں کی جاسکتی، اس حالت میں آسان ترین صورت صرف یہ ہے کہ اس کو حکمت اور بصیرت کے ساتھ اس آزادی کے استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا جائے، اب ہم کو دیکھنا ہے کہ صرف کس طرح یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو وزن دار اور باوقار بنا سکیں کہ وہ خود اپنی رہنما بن جائے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اگر کچھ لوگ دورِ ماضی کے گذر جانے پر حسرت وافسوس کر رہے ہیں تو ان کو یہ یقین کرلینا چاہئے کہ اب وہ دوبارہ واپس نہیں آسکتا لیکن مجھ کو خود جیسا کہ آگے چل کر بیان کروں گا دورِ گذشتہ کے

گذر جانے پر افسوس نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ عورت کو اُسی توجہ و اہتمام کے ساتھ تربیت دینی چاہئے، جس توجہ و اہتمام کے ساتھ مرد کو تربیت دی جاتی ہے۔ لیکن اس سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ دونوں تربیتیں یکساں ہونی چاہئیں۔

اگر یہ خیال قائم کر لیا جائے کہ تمدّن تمامتر صرف مردوں کا ساختہ پرداختہ ہے تو یہ ایک واضح غلطی ہوگی، عورتیں اُن حالات میں بھی جب وہ ہماری اطاعت کرتی ہیں، ہم اُن پر حکومت کرتے ہیں اور ہم اُن کے احکام کو قبول کرتے ہیں، سوسائٹی پر شدّت کے ساتھ اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ شریڈن کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ "وہ عورتیں ہم پر حکومت کرتی ہیں، اِس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم اُن کو کامل بنائیں ہم جسقدر اُن کو روشن خیال بنائینگے اُسی قدر وہ ہماری روشن خیالی میں اضافہ کرینگی، ہماری حکمت تمامتر اُن کی تہذیب پر موقوف ہے" یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ مرد نے اپنی مصلحت سے آنکھیں بند کر لیں یا اُس کو اسقدر غلط طریقے سے سمجھا کہ اُس ہستی کی تربیت کو نظر انداز کر دیا جو خود اُس کے نام سے پکاری جاتی ہے، اُس کے اولاد کی پرورش کرتی ہے، اور اُس کی عزت سے کام کرتی ہے،

کیا مرد اپنی عزت کو اپنی عورت کی عزت سے جُدا کر سکتا ہے؟ اگر وہ عورت کے درجہ کا لحاظ نہ رکھے تو کیا اپنے درجہ کو قائم رکھ سکتا ہے؟ اگر عورت کا سر جھکا ہوا ہے تو کیا مرد کا سر اونچا ہو سکتا ہے؟ اگر عورت اپنی توجہ اور اپنے حسنِ خدمت سے مرد کو مدد نہ دے تو کیا وہ اپنے تمام فرائض کو ادا کر سکتا ہے؟ یہ ... ل ہے اور اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں انفرادی زندگی میں اگر یہ خیال صحیح ہے تو وہ سوسائٹی پر بھی منطبق ہو سکتا ہے، فنلن کہتا ہے کہ "مردوں کو اگرچہ سیاسی اقتدار حاصل ہے لیکن وہ اپنے رزولیوشنوں کے ذریعے سے کسی قسم کی ... نہیں کر سکتے، جب تک عورتیں اس اصلاح کی نفاذ میں ... مدد نہ دیں ...

وجہ کونڈورسیپہ کے قول کے مطابق صرف یہ ہے کہ "مرد قانون بناتے ہیں اور عورتیں عادات واخلاق کو بناتی ہیں" اور جارج ایلیٹ نے کس قدر خوب کہا ہے کہ جماعتوں کی ترکیب میں عورتیں مردوں کی اس طرح شریک ہوتی ہیں کہ اُن کے گود میں صرف بچے نہیں ہوتے۔ بلکہ پوری قوم ہوتی ہے"۔ اس بنا پر ہمارا فرض ہے کہ ہم عورتوں کو محض زیب وزینت کے لئے صرف سطحی تعلیم نہ دیں، کیونکہ ملک کو اُن کی سخت ضرورت ہے، اگر وہ خود ترقی یافتہ نہ ہونگی تو اُن کی بہنوں، شوہروں اور بچوں کا بھی یہی حال ہوگا، اگر وہ خود اپنے فرض کو خوبی کے ساتھ نہ ادا کر سکیں گی تو مرد بھی اپنے قومی اور ملکی فرائض نہ ادا کر سکیں گے۔

اوّل اوّل عورت کا فرض یہ ہے کہ وہ خانگی زندگی میں اپنے اصلی درجہ کو حاصل کرے، اور پوری کوشش کے ساتھ اُس میں، امن، انتظام، اور مسرت کو پھیلائے اور خاندان کو متحد، خوش نصیب، اور باعزت بنائے، یہ مقدس فرض خصوصیت کے ساتھ اُس کا اجتماعی فرض ہے لیکن جب تک وہ خود اپنے معاملات کو اس طرح نہ سمجھے کہ اُس کو اپنا فرض اور اپنے اجتماعی درجہ کی اہمیت معلوم ہو جائے اور وہ خاندان کو وطن سے، اور اس محدود تعلق کو اپنے وسیع رشتۂ اتحاد سے مقدم سمجھنے لگے اُس وقت تک وہ عمدگی کے ساتھ اس فرض کو ادا نہیں کر سکتی۔

آج کل ہر ملک میں عمدہ و مستحکم تربیت و تہذیب پر لوگوں نے اتفاق عام کر لیا ہے تاکہ وہ مہذب ہو کر وطن کے بہترین خادم بن جائیں، لیکن جب تک لڑکیوں کو بھی تربیت نہ دی جائیگی جس سے وہ اس نسل جدید کی بہترین بیویاں اور بہترین مائیں بن جائیں، ہم لوگ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے، ایک پبلک زندگی بسر کرنے والے شخص کے دوش بدوش اگر ایک ایسی روشن خیال عورت بھی موجود ہو جو خانگی خدمت اور وطن کی مفہوم سے واقف ہے تو وہ اُس کے لئے

کتنی بڑی مددگار ثابت ہو گی؟

غرض مردوں کی طرح عورتوں میں بھی ذمہ داری کا احساس اور باہمی تعاون کی رُوح پیدا کرنی چاہیئے، تاکہ سوسائٹی کے مختلف طبقات میں اتحاد پیدا ہو جائے اور امن و سلامتی کا دَور دورہ ہو، موجودہ اہم مسائل کا جن میں سب سے پہلا مسئلہ عورتوں کے حقوق کا ہے، تنہا مرد فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ اُن کو عورتوں سے مشورہ لینا بھی لازمی ہے اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو ایک غیر پسندیدہ جنگ چھڑ جائے گی، جو فریقین کی قوتوں کو ضعیف کر دے گی، آخر اُس قوم کا کیا انجام ہوگا؟ جس میں مردوں کے اقتدار کے سوا اور کوئی چیز عورت کی حفاظت نہیں کر سکتی،

لڑکیوں کی تربیت کو صرف اُن کے فوائد تک محدود نہیں رکھنا چاہیئے، بلکہ اُس کے ذریعہ سے عوام اور خواص دونوں کی لڑکیوں کو وطنی اور قومی فوائد کے لئے تیار کرنا چاہیئے، عورت کسی طبقہ کی ہو، صرف زیب و زینت کے سامان میں اُس کا شمار نہیں ہو سکتا اس سے اُس کے اجتماعی فرائض میں خلل واقع ہوتا ہے، اور اُس کی قابلیت اور سعادتمندی کو صدمہ پہنچتا ہے، ہمارے مستقبل کے اندازہ دانوں نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ ہم عورتوں کی اعانت کے بغیر اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح نہیں کر سکتے، اگر ہمارے تنزل میں اُن کی جہالت اور ضعیف الحرکتی کا حصہ بھی شامل ہے تو ہم کو اُن کی عمدہ اور بہتر تربیت اور اُن کے احساس، فکر اور ارادہ کی نشو و نما سے چارہ نہیں۔

دوسری فصل

زمانہ گذشتہ میں عورت کی تمدّنی حالت

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عورت کی فطرت اور اُس کی اخلاقی حالت دو موضوعی

(۱) زمانہ گذشتہ میں اُس کی تمدّنی حالت اور

(۲) اُس کی جسمانی ساخت۔

کا نتیجہ ہے، اب اس فصل میں ہم پہلے موثر سے بحث کرنا چاہتے ہیں +

عورت کی انقلابی حالت

قدیم زمانے میں آج تک عورت کی جو حالت رہی ہے، اور اُس نے جو عام ترقی کی ہے، ہم تفصیلاً بلکہ اجمالاً بھی اُس کا ذکر کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ ناممکن ہونے کے ساتھ یہ بحث غیر مفید بھی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جس قدر انسانی زندگی پر غور کیا ایک عام اور دائمی ارتقا کے متعلق میرا اعتقاد ضعیف ہوتا گیا، لیبنتر کے قول کے مطابق ارتقاء کے درمیان میں ہمیشہ نشیب و فراز آتے رہتے ہیں، مثلاً قدماء کی تصنیفات، اور اُن آثار نقوش اور تصاویر سے جن کا اس زمانے

میں انکشاف ہوا ہے، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمانہ قدیم میں مصری عورتیں نہایت بلند رتبہ خیال کی جاتی تھیں، اُن کی عام حالت یہ تھی کہ خانگی مہمات میں مشغول رہتی تھیں کپڑا بنتی تھیں، مردوں کی مسرتوں میں برابر درجہ کی شریک رہتی تھیں، اور دعوتوں اور مذہبی جلسوں میں مرد کے پہلو بہ پہلو بیٹھتی تھیں۔ جوانی کی حالت میں زیوروں او۔ پھولوں سے آراستہ کی جاتی تھیں، اور اُن کے حسن وجمال اور نغمہ و سرود سے مجلسوں کی رونق بڑھ جاتی تھیں بڑھاپا آتا تھا تو باپ کی طرح اولاد کی تعظیم وتکریم کی مستحق ہوتی تھیں، غرض ہر حیثیت سے مردوں کے برابر نظر آتی تھیں، ان ماخذوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے لئے کہانت کے فرائض مخصوص تھے، اور ان تصریحات کے بعد ہم کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ اس دور میں مصری عورتوں کی جو حالت ہے وہ بہ نسبت قدیم زمانہ کے بہت کچھ پست ہے اور اس لحاظ سے ہم ایک عام اور دائمی ارتقاء کو تسلیم نہیں کر سکتے، لیکن ارتقاء ہو یا نمو، ہم کو زمانہ گذشتہ میں عورت کی حالت کا مطالعہ کرنا پڑے گا تاکہ ہم کو اجمالی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اُس کے اخلاق پر اس حالت کا کیا اثر پڑا ہے؟

معیار ترقی

اس بحث ومطالعہ سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم یا کوئی جماعت جس قدر تمدنی ترقی کرتی جاتی ہے، اُسی قدر مردوں اور عورتوں کے کام الگ الگ ہوتے جاتے ہیں، اور پست ترین انسانی جماعتوں میں یہ تفریق بہت کم نظر آتی مثلاً وحشی قبائل میں مرد اور عورت کے کام باہم مخلوط اور گڈمڈ ہوتے ہیں، اور عورت مرد کے ساتھ شکار کھیلتی ہے، اُس کی طرح لڑتی ہے، اور اُن تمام تکلیفات کو برداشت کرتی ہے جن کو مرد برداشت کرتے ہیں، ظن غالب یہ ہے کہ تمام انسانی قبائل سلئے اوّل

اوّل اسی طریقہ پر زندگی بسر کی، پھر بعض قبائل تمدنی ترقی کرکے بتدریج اس تمدنی غار سے نکل گئے، اور بعض اسی مخلوط حالت میں رہ گئے غالباً نکاح بلکہ نکاح کے سب سے کم درجہ اور مبہم طریقہ یعنی دور تعدادِ ازواج اور تعدد زوجات نے اس مخلوط حالت میں پہلی امتیاز قائم کی، پھر یہ امتیاز اور بھی نمایاں ہوتی گئی اور مردوں اور عورتوں کے کام الگ الگ ہوتے گئے۔ بالخصوص جب نکاح نے اپنی سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل اختیار کی یعنی ایک مرد صرف ایک عورت سے نکاح کرنے لگا تو دونوں جنسوں نے اپنے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ کام مخصوص کر لئے خانگی فرائض عورت کے سپرد کئے گئے، اور وہ اپنی خانگی سلطنت کی منتظم قرار پائی، اور مرد نے جنگ، شکار اور کاشتکاری کے ذریعہ سے معاش پیدا کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لی، اور اس طرح آہستہ آہستہ مردوں کے کام عورتوں سے الگ ہوگئے۔

اسی معیار پر موجودہ سلطنتوں کا بھی مقابلہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً جب ہم یورپ کی موجودہ قوموں کو دیکھتے ہیں، یا ایک ہی قوم میں مختلف صوبوں کے باشندوں پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو ہم کو نظر آتا ہے کہ جو قوم تمدنی حیثیت سے جسقدر ترقی یافتہ ہے اُس میں اُسی قدر دونوں صنفیں باہم متمائز ہیں، اور اُن میں فرائض واعمال کی تقسیم بہت زیادہ پائی جاتی ہے، لیکن جہاں حالت اس کے برعکس ہے، وہاں تقسیم عمل کی حالت بھی بالکل اس کے برعکس نظر آتی ہے، چنانچہ یورپ کے عظیم الشان شہروں میں جہاں تمدن درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے، یہ تخصیص اور تفریق کامل ترین صورتوں میں موجود ہے، بخلاف اس کے دیہاتوں میں مردوں اور عورتوں کے، اعمال، عادات، اخلاق بلکہ جسمانی مظاہر میں بھی بہت زیادہ مشابہت اور ہمرنگی پائی جاتی ہے،

لیکن اس کے ساتھ ہم کو کبھی کبھی یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض انسانی جماعتوں میں انتہائی تمدنی ترقی کی حالت میں بھی ایک ایسا طرزِ معاشرت قائم ہوجاتا ہے، جس میں

دونوں جنسوں کی تفریق بالکل معدوم ہو جاتی ہے، اور عورتیں مردوں کے ساتھ مہمات امور اور کھیل تماشے کے جلسوں میں شریک ہوتی ہیں، اسی طرح مردوں میں زنانہ پن پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ بالکل مخنث بن جاتے ہیں۔ مگر یہ غیر فطری طرز معاشرت تمدنی ضعف و اضمحلال کی علامت ہے،

لیکن یہ تقسیم عمل ارتقاء پر صرف اُسوقت دلالت کرسکتی ہے، جب مردوں اور عورتوں کے مدارج میں اسقدر مساوات قائم رہے کہ ایک فریق دوسرے کو غلام نہ بنانے پائے بلکہ دونوں اپنی اپنی طاقت کے مطابق ایک مشترک مقصد کی تکمیل، یعنی اپنی سعادتمندی اور اپنی اولاد کی تربیت میں ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں، لیکن اگر ہم انصاف کے ساتھ عورت کی حالت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے، کہ مرد نے ہمیشہ اُس کو ایک ذریعہ سمجھا، اور کبھی اُس کو فی نفسہ ایک مقصد نہیں خیال کیا اور اسی بنا پر عورتوں میں مردوں کی خواہش کے مطابق مخصوص اخلاق پیدا ہو گئے اور تقسیم عمل نے دونوں جنسوں میں جو علیحدگی قائم کر دی تھی، اُس پر ایک نئی تفریق کا اضافہ ہو گیا، یہ ایک ایسا واضح مسئلہ ہے کہ عورت کی گذشتہ حالت پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے بھی اس کی صحت کا یقین کیا جا سکتا ہے

شہادت قانون

ہم کو عادت اور قانون میں اچھی طرح فرق کر لینا چاہئے، کیونکہ عادت قانون سے پہلے پیدا ہوئی ہے، یعنی قانون اگرچہ کبھی کبھی عادت کو بہت کچھ مہذب اور پاکیزہ بنا دیتا ہے، لیکن اکثر قانون مروجہ عادتوں کو قائم و ثابت کر دیتا ہے، لیکن چونکہ ہم کو قدماء کی مصطلحہ عادتیں بہت کم معلوم ہیں، اس لئے ہم عورتوں کی حالت کے مطالعہ میں اُن قوانین پر اعتماد کرینگے جو کتابوں میں درج ہیں، اس کے علاوہ ہر زمانہ اور ہر طبقہ

میں عادتیں اکثر بدلتی رہی ہیں، لیکن قانون ایک پائدار چیز ہے، اور انسان بذات خود اُس کا مطالعہ کرسکتا ہے، اس بنا پر گذشتہ زمانوں اور مختلف قوموں میں عورتوں کی جو حالت رہی، اگر ہم اُس کو دقیق النظری اور ضبط و استقصار کے ساتھ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو یہ اُس کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن اس کے پہلے ہم کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ عورت نے پست سے پست انسانی جماعت میں بھی اپنے حُسن و جمال اور اپنے جذب و کشش سے مردوں کے دل میں محبت کے پاک اور شریفانہ جذبہ کو پیدا کیا ہے، اور اس کی بنا پر جس وقت سے مرد نے خالص حیوانیت کے درجہ سے ترقی کی ہے، عورت کے ساتھ لطف و مراعات کا برتاؤ کرتا رہا ہے، اور یہ ایک ایسا برتاؤ ہے، جو عورت کے ساتھ (گو وقتی طور پر بھی) ہر جگہ اور ہر زمانے میں کیا گیا ہے

ہندوستان

ہندوستان کا قدیم تمدن رومی اور یونانی تمدن کا سرچشمہ ہے، اور اُس نے تمام چیزوں کے ساتھ عورت کے معاملہ میں انہی دونوں ملکوں کے تمدن کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا ہے چنانچہ منو کے قانون کی ایک دفعہ جو عورت کے متعلق قدرنامہ کے نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہے یہ ہے کہ "عورت بچپن میں اپنے باپ کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، شوہر کے مرنے کے بعد اپنے لڑکوں کی، اور اگر لڑکے نہ ہوں تو شوہر کے اعزہ و اقربا کی تابع رہتی کیونکہ عورت کو کسی حالت میں خود مختار نہیں چھوڑا جا سکتا"۔

یونان

یہی حال یونانی عورت کا بھی تھا۔ وہ عمر بھر پابند رہتی تھی، اُس کو اپنی ذات پر

کسی قسم کا اختیار نہ تھا، اور وہ اپنے معاملات میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتی تھی، اس بنا پر اُس کو ایک آقا کی ضرورت تھی، اور وہ بچپن کی حالت میں اُس کا باپ نکاح کے بعد اُس کا شوہر، بیوگی کی حالت میں اُس کے لڑکے یا اُس کے شوہر کے اعزہ و اقارب ہوتے تھے، اُن کے نزدیک نکاح کا صرف ایک مقصد یعنی تحفظ خاندان تھا اس لئے میاں بی بی کے اندرونی تعلقات صرف اُس قدر ہوتے تھے، جس قدر مرد چاہتا تھا، اور یہ تمامتر اُس کی مرضی پر موقوف تھا۔ اگر مرد شریف اور لطیف الاحساس ہوتا تھا تو عورت کی محبّت، عزّت، اور اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا تھا، بلکہ اگر شوہر کمزور ہوتا تھا تو عورت اُس پر غالب آجاتی تھی اور اُس پر حکومت کرنے لگتی تھی۔ لیکن اس کا دار مدار تمامتر مزاج اور عادت پر تھا، اور اس بنا پر قدیم یونانی شیشوں پر بعض بہترین خاندانوں کے جو مناظر منقوش ہیں ہم اُن کو صحیح مان سکتے ہیں، اور یونانی مصنف زینوفون نے اپنے زمانے کی خوشگوار خانگی زندگی کا جو بیان کیا ہے ہم اُس کی تصدیق کر سکتے ہیں، لیکن باینہمہ یونان کے قانونی اوامر و نواہی سے اس کی تائید نہیں کی جا سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر یونانیوں کے نزدیک عورت بمنزلہ ام ولد[1] کے تھی، یا گھر اور گھر کے اسباب کی حفاظت کے لئے ایک متدین محافظ کی حیثیت رکھتی تھی، اور اُس میں، اور اُس کے شوہر کے غلاموں میں بہت کم فرق تھا، اُس نے خود اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا بلکہ اُس کے مشورہ کے بغیر لوگوں نے اُس کا نکاح کر دیا تھا، وہ خود بہ مشکل طلاق لے سکتی تھی۔ لیکن اگر اُس سے اولاد نہ پیدا ہو، یا وہ شوہر کی نگاہوں میں سے غیر پسندیدہ ہو تو وہ اُس کو بہ آسانی طلاق دے سکتا تھا مرد۔ اپنی زندگی میں جس دوست کو چاہتا تھا وصیتہً اپنی عورت کو نذر کر سکتا تھا، اور عورت کو اس وصیت کی تعمیل لازمی طور پر

---

[1] ام ولد اُس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے آقا کی کوئی اولاد پیدا ہو جائے ۱۲

کرنی پڑتی تھی، عورت خود کسی چیز کو فروخت نہیں کر سکتی تھی، اور ایک محدود قیمت (پچاس سیر جو) سے زائد کی چیز کے خریدنے کا اُس کو اختیار نہیں حاصل تھا، اس کے علاوہ وہ مذہبی کام نہیں کر سکتی تھی، اس بنا پر تمیستوکل کا یہ مشہور مقولہ کہ "میرا لڑکا یونانیوں میں سب سے طاقتور ہے، کیونکہ میں یونانیوں پر حکومت کرتا ہوں، اور اُس کی ماں مجھ پر حکومت کرتی ہے، لیکن وہ خود اپنی ماں پر حکومت کرتا ہے،، قابل اعتبار نہیں ہے،

الغرض عورت کو صرف وہی اختیار حاصل تھا جس کی مرد اُس کو اجازت دیتا تھا، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مرد اپنی دلفریب اور طرار معشوقہ کو اپنی منکوحہ عورت سے جو اُس کی لونڈیوں کے ساتھ اُس کے گھر میں زندگی بسر کرتی تھی زیادہ حقوق دیتا تھا بہرحال یونان میں عورتوں کی صرف دو جنسیں ہوتی تھیں، یا وہ خادمہ ہوتی تھی، یا معشوقہ، لیکن یہ تفریق و امتیاز بھی ایک حد معین سے آگے نہ بڑھ سکی، کیونکہ تمام لوگوں کی نگاہ میں جن میں فلاسفہ سب کے پیشرو تھے، عورت ایک ناقص مخلوق تھی، اور اُس کے فضائل اخلاق صرف اطاعت اور فرمانبرداری تک محدود تھے، ارسطو کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "مرد کی حکمت عورت کی حکمت کے مثل نہیں ہے.... کیونکہ فطرت نے عورت اور غلام کے لئے ایک مخصوص حالت معین کر دی ہے" غرض ہم اس مسئلہ کو کتنی ہی اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں، ہم کو مرد اور عورت کے درمیان ایک گہری خلیج حائل معلوم ہوتی ہے، اور اس کے بعد ہم کو آسانی کے ساتھ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یونانی لڑکے کی ولادت پر کیوں اسقدر خوش ہوتے تھے کہ گھر کے دروازے پر زیتون کی پتی کا تاج لٹکا کر اُس کے ذریعہ سے دوستوں کو اس کی خوشخبری سناتے تھے کاتون روانی کا ایک جملہ جس کو نبرت لیف رومانے نقل کیا ہے، اس مسئلہ میں رومیوں کی رائے کا ملخص ہمارے سامنے پیش کر دیتا

ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ "عورت کی رسّی کاٹی نہیں جاسکتی"

عورتیں روما میں بھی ایتھنز کی طرح بلکہ اُس سے زیادہ شدّت کے ساتھ ولادت سے لے کر وفات تک زیرِ نگرانی رکھی جاتی تھیں، اور اس حالت کو وہ اس فقرے کے ذریعہ سے بیان کرتے تھے کہ "عورت ہاتھ میں ہے" وہ عُمر بھر ایک آقا یعنی باپ، یا شوہر، یا لڑکے، یا شوہر کے عزیز و اقارب کے زیرِ اقتدار رہتی تھی، اور سنگ دل رومی اس معاملے میں قانون کی سختی میں کسی قسم کی تخفیف نہیں کرتے تھے، اگر عورت کی کسی قدر عزت بھی کی جاتی تھی تو صرف اس لئے کہ وہ لڑکوں کی ماں ہے، اور گھر میں مقاماتِ مقدّسہ کی نگرانی کرتی ہے، کیونکہ روما میں نکاح صرف تحفظ خاندان اور اسلاف کی عبادت گزاری کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، اگر مرد کو عورت کے چال چلن کے متعلق کسی قسم کا شُبہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اُس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکتا تھا اور اُس کو یہ بھی حق حاصل تھا کہ اُس کی اولاد کو اپنی اولاد تسلیم نہ کرے،

لیکن جب عورت کے آقا نے عیش پرستی شروع کر دی تو چند دنوں میں رومن عورت بھی جو پہلے غلام کی حیثیت رکھتی تھی آزاد اور خود مختار ہوگئی، بلکہ رومیوں میں اس شدّت کے ساتھ فسق و فجور پھیل گیا کہ ارکانِ سلطنت کو مجبوراً اُس کے تدارک کی ضرورت پیش آئی، لیکن یہ ایک دوسرے دو رخ تھی جس میں عورت کو گرنا پڑا، جب تک عورت کو آزاد کر کے خود اُس کو معزز بننے کی تعلیم نہ دی جائے، اور اُس کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہ بنایا جائے، اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ عورت کی مطلوبہ آزادی سے فسق و فجور کا جواز مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ صرف اُسوقت حاصل ہو سکتی ہے جب مرد اور عورت دونوں شریفانہ طور پر ایک دوسرے کی عزت کریں،

یورپین تمدّن پر اسی رومن قانون کا شدت کے ساتھ اثر پڑا ہے، اور اکثر

یورپین سلطنتوں بالخصوص بعض بعض حکومتوں نے اسی کو اپنے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے، یورپ میں نکاح کا جو مشہور طریقہ ہے، وہ زیادہ تر اسی رومن قانون سے ماخوذ ہے ؎

عیسائیت

عیسائیت نے اگرچہ عملی طور پر عورت کے ساتھ کوئی خاص احسان نہیں کیا، تاہم اُس نے عورت کے بلند رتبہ بنانے، اور اُس کے مظالم کے کم کرنے کے بہت کچھ سامان مہیا کر دئیے، لیکن باایں ہمہ اُس نے بعض حالات میں عورت کی مناسب عزت کا اعتراف نہیں کیا، عیسائی مذہب بعض حیثیتوں سے یہودیت کے ساتھ، اور بعض حیثیتوں سے رومی تمدّن کے ساتھ سخت تعلق رکھتا ہے، اور روما میں عورت کا جو درجہ تھا وہ ہم کو معلوم ہو چکا ہے، اور یہود کے نزدیک بھی اُس کی حالت اس سے بہتر نہ تھی بلکہ اُن کے نزدیک بھی مرد اور عورت میں کوسوں کا فاصلہ تھا، یہ عام طور پر معلوم ہے کہ پانچویں صدی کے ایک مجلس میں (مجلس ماکون) یہ بحث کی گئی کہ مرد کی طرح عورت میں بھی روح ہے یا نہیں؟ لیکن اس مجلس نے حضرت مریم عذراء کے سوا عام عورتوں کے متعلق اس سوال کا جواب نفی میں دیا، اس کے علاوہ کلیسا کے پادریوں نے اکثر عورت کی تذلیل و تحقیر اس بنا پر کی کہ اُس نے مرد کو گناہ کا مرتکب بنایا، صرف نکاح ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے عورت اپنے مقصد زندگی کی تکمیل کر سکتی ہے، اور عیسائی مذہب میں نکاح اگرچہ کلیسا کا ایک راز، خیال کیا جاتا ہے، تاہم کلیسا کی نگاہ میں نکاح کا وہ درجہ نہیں ہے، جس کا وہ مستحق ہے، کیونکہ کلیسا کے نزدیک عزوبت (بن بیاہا رہنا) اُمومۃ (ماں بننا) سے زیادہ افضل ہے،

یہ تمام باتیں مصالح نسوانی کے مخالف ہیں، اس لئے ہم نے جو یہ کہا ہے، کہ

"عورت کے بلند رتبہ بنانے میں عیسائیت نے مدد دی ہے" اُس کا مطلب صرف یہ ہے، کہ اُس نے عورت کی طرح مرد کو بھی ذلیل کیا، اُس کے غرور کو توڑا، اور عورت کی طرح اُس کو بھی اصلی گناہ کے ساتھ ملوث قرار دیا جس سے توبہ کے سوا نجات نہیں حاصل ہوسکتی، اس کے علاوہ کلیسائی نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا اور مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر بدچلنی نہیں اختیار کرسکتے، دوسرے الفاظ میں دونوں کے اخلاقی فرائض اور قطع تعلق کے شرائط یکساں و متحد ہیں +

فرانس اور یورپین قومیں

گال یعنی فرانس کے اصلی باشندوں کے نزدیک عورت نہایت ذلیل اور پست درجہ تھی، اُس کی موت و زندگی دونوں مرد کے ہاتھ میں تھی اور وہ جب چاہتا تھا اُس کو طلاق دے سکتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ اُس کی حالت بہتر ہوتی گئی، یہانتک کہ جب شاہ روما نے اس ملک کا سفر کیا تو اُسوقت یہ حالت تھی کہ عورت اپنے ساتھ جو جہیز لاتی تھی، مرد کو بھی اُسی قدر روپیہ دینا پڑتا تھا، اور اس طرح فریقین میں بظاہر ایک قسم کی مساوات قائم ہوگئی تھی۔

فرانک وغیرہ دوسری قومیں جو فرانس میں آکر آباد ہوگئی تھیں اُن کا بھی یہی حال تھا، چنانچہ اُن کے ابتدائی زمانے میں عورتیں اسباب تجارت کی طرح فروخت کی جاتی تھیں، لیکن چند دنوں کے بعد یہ رسم مٹ گئی، اور مورخ تامیت رومانی کے زمانے میں اُس کا خفیف سا اثر صرف آن تحف ہدایا میں نمایاں ہوتا رہا جو میاں بی بی باہم ایک دوسرے کو دیتے تھے، اور گویا یہ بھی مساوات کا ایک مخفی سا اشارہ تھا، آج تقریبات میں تحفہ و ہدایا کی جو رسم جاری ہے غالباً اسی قدیم رسم کی یادگار ہے، غرض جس طرح زمانہ قدیم میں عورت معرکہ کارزار میں مرد کی

شریک و سہیم رہتی تھی وہی حالت اس زمانے میں بھی عود کر آئی، اب فرنگی عورت اپنے شوہر کی مملوکہ جائداد نہیں رہ گئی، بلکہ اُس کی شریک بن گئی، وہ اپنی مخصوص جائداد کی مالک ہوتی تھی، اُس کو اپنے اقرباء کی وراثت کا حق حاصل تھا بلکہ اگر شوہر اُس سے پہلے وفات پاجاتا تھا تو وہ خود اُس کی بھی وارث ہوتی تھی،

ان تمام مؤثرات اوران تمام حالات نے قرون وسطیٰ میں فرنچ تمدن کو پیدا کیا، اس زمانے میں فیوڈل سسٹم کا عام رواج تھا، اور ہر فیوڈلیٹ کو لازمی طور پر ایک معین فوج رکھنا پڑتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اوّل اوّل عورتوں کو فیوڈلیٹ بننے کا حق حاصل نہیں ہُوا، اس بنا پر وراثت کے معاملے میں اولاد ذکور کو لڑکیوں پر امتیاز حاصل تھی، اور خود کنوارے لڑکے کو اپنے دوسرے بھائیوں پر یہ تفوق حاصل تھا کیونکہ فیوڈلیٹ کا حق صرف اولاد ذکور اور اولاد ذکور میں بھی صرف کنوارے لڑکے کی طرف منتقل ہوسکتا تھا، اس زمانے میں عورتوں کی شہسواری کے اوصاف بہت مشہور ہیں، اور عام مجالس میں بھی وہ معزز و موقر نظر آتی ہیں، لیکن یہ بالکل ایک ظاہری پردہ تھا، اس زمانے میں عورت کی جو حالت تھی وہ صرف اُن تحت قانونی تصریحات سے معلوم ہوسکتی ہے، جو عورتوں کے متعلق نافذ کئے گئے تھے اُس زمانہ کے ایک مصنف نے اپنے زمانے کی معزز عورتوں کی تشبیہ مصری ہیاکل سے دی ہے، جو باہر سے نہایت عظیم الشان معلوم ہوتے ہیں، لیکن اُن کے اندر بندر، بلی یا بکری کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔

لیکن رسم و رواج نے آہستہ آہستہ یہ تمام قانونی سختیاں دُور کردیں یہاں تک کہ شورش فرانس (اپریل ۱۹۰۷ء) نے تمدنی معاملات میں عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا عام اعلان کردیا، اور اب وراثت کے معاملے میں گذشتہ امتیازات کا خاتمہ ہوگیا اور عزت اور آزادی کی سند عورت کے ہاتھ آئی، چنانچہ

کنوارے پن کی حالت میں وہ اپنے مال و جائداد پر ہر طریقہ سے تصرف کر سکتی تھی، اور نکاح کے بعد اگرچہ اُس کو اپنے بعض اختیارات شوہر کے لئے چھوڑ دینے پڑتے تھے، لیکن خود نکاح اُس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا اور مہر کا طریقہ میاں اور بی بی کے درمیان ایک قسم کی مساوات پیدا کر دیتا تھا،

بہرحال اب شوہر کے اقتدار میں ایک بُنیادی تغیر پیدا ہوگیا، پہلے وہ عورت کی حیثیت کو بالکل معدوم کر رہا تھا، اب اُس نے خاندان، اولاد، بلکہ خود عورت کو اپنی حمایت میں لے لیا، لیکن اس حیثیت سے کنواری عورت کو منکوحہ عورت پر ہمیشہ تفوق و امتیاز حاصل رہا کیونکہ نکاح کے ذریعہ سے عورت مرد کے زیر حمایت آجاتی تھی اور اس سے اُس کا اثر و اقتدار بہت کم ہو جاتا تھا، لیکن تحفظ خاندان کے لئے یہ ایک ضروری چیز ہے، اور اس معاملے میں ہمیشہ وسیع پیمانے پر اصلاح کی گنجائش باقی رہے گی۔

گذشتہ حالات کا اثر عورت کے اخلاق پر

اب ہمارا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ اس عام بحث سے یہ نتیجہ نکالیں کہ ان حالات نے عورت کی اخلاقی حالت میں کیا کیا تغیرات پیدا کئے؟

اس میں شُبہ نہیں کہ عورت پر دور ماضی کا بہت بڑا اثر پڑا ہے، اور فطری قوتوں کے علاوہ اُس نے عورت کو اپنے مناسب حال اخلاق کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے، اب نسلاً بعد نسل یہ مصنوعی اخلاق اُس کے اندر راسخ ہوگئے ہیں، اور تربیت اور "انتخاب جنسی" نے اُن کو اور بھی نمایاں کیا ہے، اور آئندہ بھی نمایاں کرتے رہینگے، کیونکہ تربیت کے ذریعہ سے لڑکی کو اُن اوصاف کا خوگر کیا جاتا ہے جو اُس کے لئے پسندیدہ خیال کئے جاتے ہیں، اور مشق کے ذریعہ سے

اُن کو ترقی دی جاتی ہے، اور "انتخاب جنسی" کی بنا پر اُس میں اُن اوصاف کو نشوونما حاصل ہوتی ہے جو مرد کو خوشنما معلوم ہوتے ہیں (کیونکہ مرد صرف اُس لڑکی سے نکاح کرتا ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں، اس لئے یہ اوصاف نسلاً بعد نسلٍ موروثی بنتے چلے جاتے ہیں؛ اور آہستہ آہستہ اُن کا ظہور ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام غیر پسندیدہ اوصاف فنا ہو جاتے ہیں، جن کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر مرد کسی عورت سے اجتناب کرتا ہے اور "انتخاب جنسی" سے ہمارا یہی مقصد ہے) اب ہم کو یہ بتانا چاہئے کہ وہ کون کون سے اخلاق وعادات ہیں جن کو عورت نے دورِ گذشتہ سے سیکھا ہے؟ اُس نے اس دور میں بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ پُرسکون زندگی بسر کی ہے؛ اس بنا پر جہاں تک جسمانی حالت کا تعلق ہے، اُس کے تمام عضلات اور عام جسم میں ضعف پیدا ہو گیا جو اُس کی پُرسکون طرز معاشرت کا نتیجہ ہے، لیکن اخلاقی حیثیت سے اُس میں حسب ذیل اوصاف کا ظہور ہوا،

(۱) خانگی زندگی کی طرف میلان (۲) مہمات خانگی کی طرف توجہ (۳) خوف اور حیاء، (۴) ضبط اور جبر (۵) جزئی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام (۶) مرد کے خوش رکھنے اور اُس کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش (۷) گھر کے مالک اور صاحب اقتدار شخص کی اطاعت اور فرمانبرداری (اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماتحت مُلازموں کے ساتھ سخت کلامی کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے نقص کا انتقام لیتی ہے) (۸) مالک خانہ کی خواہش کے اندازہ کرنے کی عجیب وغریب مہارت، تاکہ وہ اُس سے پہلے اُس کو پورا کر سکے، لیکن اگر وہ سخت ہے تو اُس کے فریب اور بھلاوا (یا کم از کم مجبوری کی حالت میں اپنے جذبات کے اخفاء) کا سلیقہ، —— یہ وہ چند اخلاقی اوصاف ہیں جنہوں نے عورت کے اندر نشوونما پائی، کیونکہ وہ انہی کی بنا پر مرد کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی تھی، اور انہی کے ذریعہ سے اُس کو خوش

رکھ سکتی تھی، اور درحقیقت ایک خانہ نشین عورت سے اُس عقلی اقتدار کی توقع نہیں رکھی جا سکتی، جس کو مرد نے تمام دُنیا کی رگڑ کھا کر، اور عام وخاص اہم مسائل کی مشغولیت واہتمام سے حاصل کیا ہے، کیونکہ عورت نے ہمیشہ ذلت وخوشامد کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، اور یہ دونوں چیزیں اخلاق کے لئے یکساں طور پر مضر ہیں، اس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ عورت نے جہالت اور عزلت میں زندگی بسر کی، یا صرف اُن سطحی قوتوں کے نشوونما دینے پر قناعت کی جو مفید ہونے سے زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن عورتوں میں علم عقل، اور اعلیٰ درجہ کے اخلاقی اوصاف پائے جاتے ہیں مرد اُن کو اکثر ناپسند کرتے ہیں،

عورت ایک طویل زمانے تک رائے عام کے شکنجے میں گرفتار رہی ہے، یہ رائے عام کیا ہے؟ وہ ظالمانہ رائے جو مرد کے لئے ہر چیز کے جواز کا فتوےٰ دیتی ہے، اور عورت کی معمولی لغزشوں پر بھی گرفت کرتی ہے، ایسی حالت میں وہ کیونکر فرمانبردار نہ بنتی؟ کیونکر اپنے استقلال کو نہ کھودیتی؟ اور کیونکر اپنی اخلاقی شخصیت کو فنا نہ کردیتی؟ مرد کو ہمیشہ یہ خوف لگا رہا کہ اگر وہ اپنے قابلیت کے دائرے سے نکل گئی تو طرح طرح کی بُرائیاں پیدا کرے گی، اور اسی خوف نے اُس کو ہر چیز سے روکا ہے، خود اُس کے عقل، شرف اور اُس کی عزت نے اُس کی راہ میں کوئی رُکاوٹ نہیں پیدا کی ہے،

اسوقت ہم اسی اجمالی اشارہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور غالباً اس کی بنا پر ہم عورت کے ساتھ زیادہ انصاف کے ساتھ پیش آسکیں گے اُس کے لئے صحیح عذر تلاش کرسکیں گے، اور ظالم نہ بنینگے، بلکہ اس تاریخی بحث کے بعد میں خود ذاتی طور پر عورت کو بہت زیادہ عزت وتعظیم کا مستحق سمجھتا ہوں، عورتوں نے جو مظالم برداشت کئے ہیں، اگر وہی مردوں کو بھی برداشت کرنے پڑتے تو وہ اپنے لئے اس سے

بہتر کوئی دوسری صورت نہ اختیار کر سکتے، گریم نے کس قدر خوب کہا ہے کہ "اگر ہم انصاف کے ساتھ ان واقعات پر غور کریں تو عورت کی نسبت کسی قسم کی بدگوئی نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارا یہ اعتقاد ہو جائے گا، کہ اُس کی فطرت مرد کی فطرت سے زیادہ بلند ہے،، بہر حال ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عورت کے اندر اس قسم کی مخفی قوتیں موجود ہیں، کہ اگر اُن کو نشوونما کا موقع دیا جائے تو وہ عورت کی حالت کو بہتر بنا سکتی ہیں، عورت پر ایک طویل مدت تک مظالم کئے گئے ہیں، اور اُس کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی مقتضائے انصاف یہ نہیں ہے کہ ہم اب بھی اُس پر جابرانہ حکومت کریں۔

تیسری فصل

عورت کی جسمانی حالت اور اسکے فرائض زندگانی

اور

اُس کی اجتماعی زندگی میں اسکی حیثیت

گذشتہ زمانے میں عورت کی جو حالت رہ چکی ہے، اور اُس کے اخلاق پر اس کا جو شدید اثر پڑا ہے، ہم اُس کو اختصار کے ساتھ بیان کر چکے، لیکن باایں ہمہ یہ شدید اخلاقی اثر تغیر و اصلاح کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ ایک زمانہ جس چیز کو پیدا کر دیتا ہے دوسرا زمانہ اُس کو مٹا بھی دیتا ہے،

مرد اور عورت کا بنیادی فرق

لیکن یہ حالت، یعنی عورت کی جو حالت عہد گذشتہ میں رہ چکی ہے، اُسنے جس طرح مردوں کے آگے سر جھکایا ہے، اور میدان ترقی میں اُس سے پیچھے رہ گئی ہے، خود عورت کی فطرت یعنی اُس کی جسمانی ساخت، اور اُس کے فرائض

زندگانی نے پیدا کی ہے، چنانچہ ہم اوپر مودسلی کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ تربیت سے زیادہ خود نسوانیت عورت کی ذات اور عورت کی زندگی پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اور یہی نسوانیت یعنی (عورت کا عورت ہونا) وہ حقیقی اور اساسی موثر ہے، جس پر اسوقت ہم کو بحث کرنی چاہیئے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عورت کی نسوانیت اُس کو مرد کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے، کیونکہ اُس پر متعدد حالات ایسے گذرتے ہیں جن میں وہ مردوں کی اعانت اور اُن کے سہارے کی محتاج ہوتی ہے، لیکن تاہم وہ اس طرح اجتماعی زندگی کے اعلیٰ ترین فرائض کو بھی ادا کرتی ہے،

حیوانات کی فطرت سے واقف ہونا، اور اُن کے ساتھ انسان کا مقابلہ کرنا، اس بحث پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا، بعض تعلیم یافتہ عورتیں حیوانات میں مادہ اور نر کی مساوات ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں، بلکہ حیوانات کے بعض انواع بالخصوص گھوڑے اور کُتے میں، نر پر مادہ کا تفوق ثابت کرتی ہیں، لیکن یہ ایک بیکار اور غیر مفید بحث ہے، بالخصوص خانگی جانوروں میں جنہوں نے فطری تربیت نہیں پائی ہے، اور بھی زیادہ بے سود ہے، بلکہ وحشی جانوروں میں مادہ اکثر نر سے پست درجہ ہوتی ہے، اور اگر بالفرض ہم یہ ثابت بھی کر دیں کہ حیوانات میں مادہ نر پر تفوق رکھتی ہے، تو اس سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ نوع انسانی میں بھی عورت کو تفوق حاصل ہے کیونکہ وہ اپنے فطری فرائض کی بنا پر حیوانات کی مادہ سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور اس کا بچہ تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور، اور اپنی ماں کی توجہ کا اُن سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

تشریحی فرق

عورت اور مرد میں جو تشریحی فرق ہے اب تک علماء کا اُس پر اتفاق نہیں ہوا ہے،

اب تک جو فرق ثابت کئے جا چکے ہیں، اُن سے کوئی اہم نتیجہ نہیں نکلتا، لیکن جن کی صحت مشکوک ہے، اگر وہ ثابت کر دئے جائیں، تو اُن سے عظیم الشان نتائج نکل سکتے ہیں، جدید محققین نے اس معاملے میں عورت کی جنسیت کو قدماء سے بہت زیادہ تسلیم کیا ہے، لیکن بایں ہمہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت جسمانی ساخت، طاقت، اور قوت مقابلہ کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے بہت کم درجہ ہے، اور یہ عورت کا ایک ایسا عام وصف ہے جو اُس کے تمام نظام جسمانی پر صادق آتا ہے، چنانچہ اُس کی تفصیل یہ ہے،

تمام نوع بشری میں بچپن ہی سے عورت کا قد مرد کے قد سے چھوٹا ہوتا ہے، چنانچہ لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اُس کا قد لڑکی سے بڑا ہوتا ہے، کمال نشو و نما کی حالت میں مرد اور عورت کے قد کا اوسط فرق تقریباً ۱۰ سنٹیمیٹر ہوتا ہے،

وزن کی حالت بھی یہی ہے، اور بچپن ہی سے مرد اور عورت دونوں میں اس حیثیت سے فرق نمایاں ہو جاتا ہے، اور اوسطاً مرد کا وزن عورت سے پانچ کیلوگرام زیادہ ہوتا ہے، وزن کا یہ فرق خصوصیت کے ساتھ ہڈیوں کے ڈھانچے میں نمایاں رہتا ہے، چنانچہ عورت کا ڈھانچہ مرد کے ڈھانچے سے ہلکا ہوتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ عورت کے جسم کا وزن بھی اُس کی برابری نہیں کر سکتا، عورت کی ہڈیاں ایک طرف تو حجم اور مضبوطی میں مرد کی ہڈیوں سے کم ہوتی ہیں، دوسری طرف اُن کی نوکیں (جو عضلات کا مرکز ہیں) بہت کم نمایاں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اس ڈھانچے کی ساخت میں انتقال اور حرکت کی صلاحیت بھی بہت کم ہوتی ہے،

عورت کے عضلات بھی مرد کے عضلات سے ضعیف، حجم میں اُن سے تقریباً ثلث کم، اور چستی و چالاکی میں اُس سے بہت کم درجہ ہوتے ہیں، اور انہی کی وجہ سے عورت مرد سے زیادہ لاغر ہوتی ہے، انہی کی وجہ سے وہ بہ نسبت مرد کے بوجھ

ہوئی ہے، اور انہی کی وجہ سے اُس میں ضبط و قابلیت کم ہوتی ہے، اس باب میں عورت کو صرف ایک نظام عصبی کی بنا پر ترجیح حاصل ہے، یعنی وہ نظام عصبی جس پر عورت کی شکل وصورت کی گولائی، اور اُس کے جسم کی لچک کا دار ومدار ہے، عورت کے قدم کو اس زمانے میں مرد کے قدم سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اور اس زمانے کے لوگ اُن کے حُسن کے شیدائی ہوتے ہیں، لیکن اس خیال کی حقیقت وہم سے زیادہ نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عورت کے پانوں میں ہمواری بہت زیادہ ہوتی ہے اور گھٹاؤ کم ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں وہ پست درجہ قوموں کے قدم سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں،

اندرونی اعضاء میں عورت کا دل مرد کے دل سے بہت چھوٹا اور بہت ہلکا ہوتا ہے (عورت کا دل ۲۴۰ کیلوگرام اور مرد کا ۳۰۰ کیلوگرام کا ہوتا ہے) اور اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس کی ضخامت عورت کے جذبات کی گنجائش نہیں رکھتی، عورت کی نبض مرد کی نبض سے زیادہ تیز ہوتی، اور اُس کی تعداد مرد کے نبض کی تعداد سے بہت زیادہ ہوتی ہے یعنی ایک سکنڈ میں مرد کی نبض دس۱۰ بار اور عورت کی چودہ۱۴ بار چلتی ہے، (اکثر حیوانات کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ ایک سکنڈ میں شیر کی نبض ۶۰ بار اور شیرنی کی ۵۰ بار، بیل کی ۴۰ بار اور گائے کی ۶۶ بار، بکرے کی ۶۳ بار اور بکری کی ۸۰ بار حرکت کرتی ہے)

عورت کا خون مرد کے خون سے مقدار اور ترکیب دونوں میں مختلف ہوتا ہے، عورت کے خون کی مقدار مرد سے کم ہوتی ہے، اور اُس کی ترکیب میں نمکین اجزاء اور اسی طرح ہیموگلوبین کم ہوتا ہے، اس کے علاوہ سُرخ خون کے اجزاء عورت میں زیادہ ہوتے ہیں، اور مرد میں سفید خون کے اجزاء کی کثرت ہوتی ہے،

اب آلات تنفس کو دیکھنا چاہئے، عورت کے سینے اور پھیپھڑے کی وسعت مرد سے بہت کم ہوتی ہے، (دونوں میں تقریباً نصف سیر کا فرق ہوتا ہے) عورت اگرچہ

بہ نسبت مرد کے تیز سانس لیتی ہے. لیکن کیمیاوی حیثیت سے اُس کا درجہ بہت کم ہوتا ہے، کیونکہ مرد سانس لینے میں بہ نسبت عورت کے زیادہ آکسیجن جذب کرتا ہے اور زیادہ کاربونک خارج کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت میں بہ نسبت مرد کے حرارت کم پائی جاتی ہے، غالباً فطرت نے اُس میں حرارت اس لئے کم پیدا کی ہے کہ اُس کا روغنی غلاف اُس کی حرارت کی خوب حفاظت کرتا ہے اور اُس کو ضائع نہیں ہونے دیتا،

عورت کو اگرچہ بھوک کا بہت زیادہ احساس ہوتا ہے، لیکن اُس کے اعضائے ہضم کو کھانے کی ضرورت کم پڑتی ہے، اب سر اور دماغ کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے اس میں شبہ نہیں کہ عورت کی کھوپڑی مرد کی کھوپڑی سے بہت چھوٹی ہوتی ہے اور انسان جس قدر تمدنی ترقی کرتا ہے اُسی قدر یہ فرق بڑھتا جاتا ہے، چنانچہ تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ مرد کا سر بڑھتا جاتا ہے، لیکن عورت کا سر تقریباً اس سے غیر متاثر رہتا ہے، لیبان کا قول ہے کہ "عہد قدیم کی تاریخی عورتوں کے سر سے ہمارے متمدن عورتوں کا سر بہت کم بڑھا ہے" مرد کی کھوپڑی کے ساتھ عورت کی کھوپڑی کو وہی نسبت حاصل ہے، جو ۸۵ کو ۱۰۰ کے ساتھ حاصل ہے مغز کا حجم بھی عادۃً کھوپڑی کے حجم کے برابر ہوتا ہے چنانچہ عورت کا مغز، مرد کے مغز سے چھوٹا اور ہلکا ہوتا ہے، (عورت کی کھوپڑی کا وزن ۱۱۰۰ سے ۱۳۰۰ کیلوگرام تک کا، اور مرد کی کھوپڑی کا وزن ۱۲۰۰ سے ۱۴۰۰ کیلوگرام تک کا ہوتا ہے) لیکن ہم کو مغز کے مطلق وزن کو چھوڑ کر اُس کے نسبتی وزن کا لحاظ رکھنا چاہئے یعنی یہ کہ مغز کا وزن بہ نسبت کُل جسم کے کس قدر ہے؟ اگرچہ اس باب میں محققین نے مختلف فیصلے کئے ہیں، لیکن کثرت رائے یہ ہے کہ اس حیثیت سے بھی عورت مرد سے کم درجہ ہے، کیونکہ عورت کا مغز $\frac{1}{44}$ درجہ اُس کے وزن کے برابر ہے، لیکن مرد کے مغز کا وزن اُس کے وزن سے صرف $\frac{1}{40}$ درجہ زیادہ ہے،

مغز کی شکل اور اُس کے پیچ و خم میں بھی اسی قسم کا فرق ہے، (اور دماغ کا پیچ و خم ہی قوائے عقلیہ کا مرکز ہے) چنانچہ عورت کے مغز کا پیچ و خم بہت کم نمایاں اور بہت کم ترقی یافتہ ہوتا ہے،

علماء کی غالب رائیں یہی ہیں اور اس جگہ اُن کی صحت میں بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اجمالی طور پر یہی نتائج متوقع الحصول ہیں، اور اُن کے بُرا سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ عورت کا جسمانی ضعف، وزن، کثرت خون، حرکت تنفس بلکہ دماغی نشو و نما میں بھی مردوں سے کم پایہ ہونا اُس کے دور گذشتہ کی طرز معاشرت، گوشہ نشینی، دباؤ، اور مظالم کا نتیجہ ہے، عورت کی تمام قوتوں نے ایک طویل مدت تک خاموشی، اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، ایسی حالت میں اگر وہ کلی حیثیت سے مردوں کی برابری نہیں کر سکتی تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے؟ بیکاری سے اعضاء لاغر ہو جاتے ہیں، اُن کا حجم اُن کا وزن اور اُن کا نشاط کم ہو جاتا ہے، اور یہ ایک ازلی قانون ہے جو تمام ذی رُوح دُنیا پر جاری و نافذ ہے، عورت اور مرد میں اوپر جو فرق بیان کیا گیا ہے، اُس کی وجہ بھی قانون ہے، اور اسی لئے ان فرقوں کو دوسرے درجہ کا فرق خیال کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ اہمیت کے لحاظ سے بھی دوسرے درجہ کے فرق ہیں اور اس حیثیت سے بھی دوسرا درجہ رکھتے ہیں کہ وہ پہلے عظیم الشان فرق سے پیدا ہوئے ہیں۔

فرائض نسوانیت اور اُس کے خطرات

اب ہم اُس بنیادی فرق کو بیان کرتے ہیں جو مرد اور عورت کی تمام تفریقات کا اصلی مرجع ہے، اور یہ فرق صرف اس جملے میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "عورت عورت ہے" یعنی وہ خصوصیت کے ساتھ فرائض مادری کے ادا کرنے کے لئے پیدا

کی گئی ہے، اور اُس کی زندگی کا یہی اصلی راز ہے اس لئے جو تشریحی اور اخلاقی فرق اس فرض کی بنیاد پر قائم ہیں، یا اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، وہی عورت کی وہ مخصوص فطرت پیدا کرتے ہیں، جو اُس کو مرد سے بالکل ممتاز کر دیتی، یہ ایک ایسا بنیادی اصول ہے کہ ہم اُس کے ذریعہ سے اوّل سے آخر تک اس موضوع کے تمام مہمات مسائل پر غور کر سکتے ہیں، کیونکہ عورت کے تنزل کا دارمدار بھی اسی اصول پر ہے، اور اُس کے فخر و شرف کا ذریعہ بھی یہی اصول ہے، جس شخص کی قسمت میں ماں بننا لکھا ہوا ہے ہم اُس کے وقار کا تذکرہ کیوں نہ کریں؟ مرد کے ساتھ اُس کی مساوات میں کیونکر شبہ کریں؟ بلکہ اجتماعی حیثیت سے بقائے خاندان، بقائے قوم اور بقاء نوع انسانی سے زیادہ کون سی چیز اہم ہو سکتی ہے؟

لیکن یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو عورت کی دنیوی جدوجہد میں رُکاوٹ پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ لازمی طور پر مرد کی حمایت اور اعانت کی محتاج ہوتی ہے، لیکن بعض عورتیں حمل کی تکلیفات اور ماں بننے کے خطرات کو اس لئے نہایت مبالغہ آمیز طور پر بیان کرتی ہیں کہ اس کے ذریعہ سے مرد کو اپنی طرف متوجہ کریں، لیکن ان عورتوں کو یہ بتا دینا چاہئے کہ یہ ایک عام فطری فرض ہے، اور عورت اگر صحت اور تندرستی کے ساتھ عمدہ ماحول میں زندگی بسر کرتی ہے، تو وہ آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے، یہی مبالغہ آمیز طرز بیان ہے مثلاً کے اس قول میں پایا جاتا ہے کہ "عورت سن بلوغ سے مریض ہو جاتی ہے"، اور ڈاکٹر سیکاد کا یہ خیال بھی اسی مبالغہ پر مبنی ہے کہ "عورت میں جو عقلی اور جسمانی ابتریاں پائی جاتی ہیں وہ فطرۃً وصف نسوانیت کے لئے لازمی چیز ہیں"، تاہم ڈاکٹر موصوف کا یہ خیال بے شبہ تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ جب عورت کے فرائض زندگانی میں خلل واقع ہو جاتا ہے، تو اُس کی عقلی حالت معمولی بدنظمی سے ترقی کر کے جنون کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اور اس حالت میں اُس کی ذمہ داریاں

کم ہو جاتی ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ بالکل غیر ذمہ دار چھوڑ دی جاتی ہے"
جو عورت کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں بارہ سے چودہ برس تک اور اُس کی زندگی کے انتہائی زمانے میں یعنی ۴۵ سال کے قریب خطرات کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جو اُس کو ضعف اور ہلاکت کا آماجگاہ بنا دیتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی پھر بھی بار بار کموں گا کہ ان عارضی خطرات کو اگرچہ بڑے بڑے شہروں کی ناخوشگوار زندگی نے بہت بڑھا دیا ہے، تاہم ایک صحیح، باقاعدہ زندگی، اور جسمانی اور روحانی حیثیت سے موزوں حالات میں اُن کا سلسلہ آسانی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، عورت اکثر اپنے سن کے مختلف دور میں نشاط، صبر اور بہادری کا اظہار بد نما اور حیرت انگیز طریقے سے کرتی ہے، اور جب وہ مخصوص نسوانی خطرات کے دور سے گذر جاتی ہے، تو صحت وغیرہ میں مردوں کا مقابلہ کرنے لگتی ہے، لیکن با ایں ہمہ عورت کتنی ہی قوی اور عقلی اور جسمانی حیثیت سے کتنی ہی بھاری بھر کم ہو، اپنی زندگی کے بہترین دور میں مختلف قسم کی تکلیفات و شدائد کی زد میں رہتی ہے اور مخصوص و معلوم اوقات میں ضعف و تکلیف کے دن اُس کی قسمت میں لکھے ہوئے ہیں، اور معمولی سے معمولی اسباب سے متاثر ہونا، اور اکثر غم، بے چینی، خوف و خطر میں مبتلا رہنا اُس کا نوشتہ تقدیر بن گیا ہے،

وہ یہ تمام سختیاں نوع انسانی کے تحفظ کے لئے برداشت کرتی ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سن شباب ہی میں مرض اور موت کی زد میں آجاتی ہے، چنانچہ اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی قوت مقابلہ کمال نشو و نما کے بعد بالکل زائل ہو جاتی ہے، اور اُس کو نہایت شدت سے عوارض لاحق ہونے لگتے ہیں، ایک کمپنی نے جو مزدوری پیشہ مرد اور عورت کے معاملات کی طرف توجہ رکھتی ہے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عورت کو ۴۵ و ۵۵ سال کی عمر میں بھی مرد سے ڈیوڑھا زیادہ

امراض لاحق ہوتے ہیں، اور اس مدت میں عورتوں کی فوتیاں بہ نسبت مرد کے سہ گنا زائد ہوتی ہیں، ہکسلے نے خوب کہا ہے کہ "ماں بننا عورت کا خاص حصہ ہے، اور وہ زندگی کی گھوڑدوڑ میں اُس کے سر کا ایک بڑا بوجھ ہے، اس کے مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کے اس بوجھ کو ہلکا کرے، یا کم از کم اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے کہ اُس پر اور دوسرے بوجھوں کا اضافہ ہوجائے، تاکہ فطرت نے اُس پر جو ظلم کیا ہے، وہ اور نہ بڑھنے پائے"۔

اخلاقی حیثیت سے نسوانیت کے نتائج

اب ہمارے لئے اُس عظیم الشان بحث کا وقت آگیا جو اس فصل کا اصلی مقصد ہے، یعنی یہ کہ عورت کے اخلاق و عادات پر ان جسمانی امتیازات کا کیا اثر پڑا ہے؟

اسپنسر کا قول ہے کہ "فرائض مادری کے لئے فطرت ابتدائے سن یعنی کنوارپن کے زمانے میں عورت کی نشوونما کو روک رکھتی ہے اور اس طرح پیش آنے والی مشکلات کے لئے اُس کو احتیاط کے ساتھ قوت کے محفوظ رکھنے کا موقع دیتی ہے، اور اُس کی عاجلانہ نشوونما کو وہ اس لئے روک رکھتی ہے، تاکہ فرائض مادری کے ادا کرنے میں جس غذا اور جس نشاط کی ضرورت واقع ہوتی ہے اُس کو وہ آسانی کے ساتھ جمع کرے"، اس قول سے پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی کی عقل لڑکے کی عقل سے پہلے پختہ ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر تم ۱۵ برس کی عمر کے قریب ایک لڑکی اور ایک لڑکے کا مقابلہ کرو، تو ان دونوں کے فہم و ادراک میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا، بالخصوص عام حسی امور میں یہ فرق اور نمایاں ہوگا، کیونکہ سخت کشمکش کے موقعوں پر، لڑکی جس طرح اپنے نفس پر قابو رکھے گی، جس خوبصورتی کے ساتھ اُن سے نکلنے کی کوشش کرے گی؛ اور اس موقع پر جو کچھ کرنا چاہیئے اُس سے جس قدر وہ واقف ہوگی، اُس سے لڑکا بچہ

علانیہ اُس کا تفوق ثابت ہوگا، لیکن ایک دوسری حیثیت سے عورت کا یہ تفوق اُس کا نقص خیال کیا جاتا ہے، یعنی ابتداء میں عقل کی اسی پختگی کا نام نشو و نما کی رُکاوٹ ہے، کیونکہ اس حالت میں عورت کا دماغ اور اُس کے تمام اعضاء مرد سے کم ترقی کرتے ہیں، دوسرے الفاظ میں عورت کی نشو و نما مرد سے پہلے اس لئے مکمل ہو جاتی ہے کہ اُس کا زمانہ بہت کم اور اُس کی منزل مقصود قریب تر ہوتی ہے، یہ ایک بنیادی اصول ہے جس کو عورت کے دشمنوں نے بہت بڑھا کرکے دکھایا ہے، اور اُس کی بنا پر عورت کی تذلیل و تحقیر کی ہے، چنانچہ شاہ منصور کہتا ہے کہ "عورتیں بڑی اولاد ہیں، جو اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ حالت جنون میں ہمارے کام آئیں نہ کہ حالتِ عقل میں" شوپنہور کہتا ہے کہ "مرد کی عقل اٹھائیسویں سال سے پہلے کامل نشو و نما کے درجے تک نہیں پہنچتی، لیکن عورت کی عقل اٹھارہ سال کے سن میں کامل نشو و نما حاصل کر لیتی ہے لیکن اُس کی عقل اس سن سے آگے کوئی ترقی نہیں کرتی، اس لئے وہ تم کو اپنی عمر بھر بڑا لڑکا نظر آتی ہے" ایک ناولسٹ نے لڑکیوں کے اس عقلی تفوق کو اس طرح بیان کیا ہے "ابتداء میں لڑکیوں سے عجیب و غریب چیزوں کا ظہور ہوتا ہے لیکن وہ دفعتہً ٹھہر جاتی ہیں اور اس کے بعد کوئی قدم آگے نہیں بڑھاتیں، اور کسی شخص کو اس کی وجہ معلوم نہیں" لیکن اسوقت ہم کو اس رُکاوٹ کا اصلی سبب معلوم ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نہایت جلد عورت ہو جاتی ہیں، اور فطرت نے جس طرح اُن کو داڑھیاں نہیں دیں اُسی طرح اُس نے یہ بھی نہیں چاہا کہ وہ تمام فطری فیاضیوں میں مرد کا مقابلہ کرتے لگیں لیکن جس طرح مرد تحفظ نوع انسانی کے لئے اپنی مخصوص حیثیت میں کوشش کرتا ہے، اُسی طرح عورتیں بھی اپنے مخصوص فطری طریقے پر اس مقصد کی تکمیل کر سکتی ہیں اور یہ عقلی نقصان اس مقصد کی تکمیل میں سد راہ نہیں ہو سکتا، اوپر کے بیان کو اس امر کے ثبوت میں پیش کرنا کہ عورت

ایک ایسا مرد ہے جس نے ناقص طور پر نشو ونما پائی ہے، بالکل حماقت ہے، اگرچہ ہم عورت کے ساتھ اس بنا پر تمسخر کرتے ہیں کہ وہ عمر بھر لڑکا بنی رہتی ہے، تاہم اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ اُس میں مرد سے زیادہ حمیت ہوتی ہے، اُس کا دل مرد سے زیادہ گرم ہوتا ہے، اور اُس میں بہ نسبت مرد کے قوت احساس زیادہ پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اُس میں متاثر ہونے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے، اگرچہ وہ بہ مقتضائے مصلحت اپنی اثر پذیری کو چھپا بھی سکتی ہے، تاہم یہ اُس کی ایک نمایاں امتیازی خصوصیت ہے،

فطرت کے اصل مقصد یعنی تحفظ نوع انسانی کی تکمیل، صرف مخصوص اعضاء اور مخصوص فرائض ہی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے مخصوص فطری اوصاف کی بھی ضرورت ہے، اور یہ فطری اوصاف بہ نسبت باپ کے ماں میں زیادہ ترقی یافتہ اور نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، عام طور پر اگرچہ مرد میں بھی فطرۃً حمایت وحفاظت کا مادہ موجود ہے، لیکن عورت کا پہلو، عورت کی گود، اور عورت کے دست و بازو صرف اُس لڑکے کے لئے محدود اور واقف ہیں، جس کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو بالکل جکڑ دیا ہے، جو عقلی اوصاف اُس کے لئے موزون ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں، مثلاً یہ کہ وہ فطرۃً لڑکے کے احساس اور اُس کی ضروریات کا غایت صحیح اندازہ کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ عورت کی زندگی پر فرائض مادرانہ کا اثر واقتدار اسقدر زیادہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عورت جب سخت محبت کا اظہار کرتی ہے تو اُس کی اس محبت میں مادرانہ جذبات کی آمیزش ہوتی ہے،

لیکن عورت کو لڑکے کے معاملے میں جسقدر اقتدار حاصل ہے، اُسی قدر وہ مرد کے مقابلہ میں ضعیف و کمزور ہے، اسی لئے اُس کو مرد کی حفاظت و حمایت میں رہنا لازمی ہے، اور اس کا سبب [illegible] کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے، چنانچہ

تنازع للبقار کی کشمکش میں صرف اُسی عورت نے کامیابی حاصل کی ہے، جس نے اپنے اندر وہ محاسن و اوصاف پیدا کئے ہیں، جن میں مرد کی جاذب و کشش کا مادہ موجود ہے، اور وہ مردوں کو اُن کی اعانت وحمایت پر آمادہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عورت نے ہمیشہ مرد کی رضامندی کو اپنا مقصد بنایا ہے، جو چیز اُس کو خوش رکھ سکتی ہے اُس کی طرف توجہ کی ہے، اور اپنی سہیلیوں سے اس میدان میں بازی لے جانا چاہا ہے، کیونکہ یہ اوصاف اُس کے تحفظ وبقار میں معیّن و مددگار ہوتے ہیں، اور ان کے ذریعہ سے وہ اپنے آقا کی آنکھوں میں جگہ پاتی ہے۔

اس کے بالکل برعکس جو عورتیں آزادانہ اخلاق رکھتی ہیں، اور مرد کے اقتدار اور استبداد کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کرتیں وہ مرد کو اپنی طرف مائل نہیں کرسکتیں اور زندگی کی گھوڑ دوڑ میں ناکامیاب رہتی ہیں،

اصل یہ ہے کہ فطرت خود ہی اُن اوصاف کا انتخاب کرلیتی ہے جن سے مرد اور عورت کے درمیان اتفاق واتحاد کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے، اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بتدریج ان اوصاف کا نشوونما اور ظہور ہوتا جاتا ہے، اور جو اوصاف اس کے مخالف ہیں وہ آہستہ آہستہ فنا ہوتے جاتے ہیں، چنانچہ "انتخاب جنسی" جو انتخاب طبعی کی ایک قسم ہے اُس کا مفہوم یہی ہے۔

عورت ہمیشہ مرد کے میلان اور اُس کی خواہش کے معلوم کرنے کے لئے اُس کے جذبات پر نگاہ رکھتی ہے، کیونکہ اُس کی کامیابی تمامتر اسی پر موقوف ہے، اس لئے وہ فطرۃً مرد کے میلان وخواہش کی پیشگوئی کرسکتی ہے، اور جو چیزیں اُس کو خوش اور رضامند رکھ سکتی ہیں اُن کو تاڑ سکتی ہے، کیونکہ اُس کی خوش نصیبی کا تمامتر دارمدار ہی اس پر ہے کہ وہ حرکت سے، گنگناہٹ سے، اشارے سے مرد کے غصہ، سنگ دلی، مہربانی اور کشادہ دلی کا پتہ لگائے، یہ عورت کی ایک ایسی عجیب امتیازی

خصوصیت ہے، جو متمدن عورتوں میں مشق و تمرین سے سُلجھ کر اسقدر لطیف اور نازک ہو گئی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا، عورت کی جسمانی حالت اور اُس کے طبعی ضعف سے جو اخلاق پیدا ہوئے ہیں اُن میں ایک خلق یہ ہے کہ عورت قوت کا احترام کرتی ہے، اور اُس کی شیدائی بن جاتی ہے، اگرچہ وہ جس قسم کی قوت کی طرف مائل ہوتی؛ اُس کے ماحول اُس کی تربیت اور اُس کے تمدنی درجہ کے اختلاف سے اُس میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، تاہم اس میں شُبہ نہیں کہ مرد میں اگر کسی قسم کی جسمانی یا رُوحانی طاقت موجود ہے، تو وہ عورت کو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے، اس میلان پر عورت کو سرزنش کرنا قرین انصاف نہیں ہے، اُس کی، اور اُس کی اولاد کی بقاء کے لئے یہ ایک لازمی شرط تھی، اس لئے اُس میں یہ میلان پیدا ہو کر بتدریج نمایاں ہوتا گیا صرف اسقدر کافی ہے کہ ایک ترقی یافتہ متمدن عورت کی جسمانی شیفتگی کا رُخ روحانی فریفتگی کی طرف پھر جائے، غالباً اسی خلق کی بنا پر بعض عورتیں مرد کے بُرے برتاؤ کو اچھی طرح برداشت کر سکتی ہیں، بلکہ کبھی کبھی عورت ایسے مرد پر بھی فریفتہ ہو جاتی ہے، جو اُس کے ساتھ استبداد اور بدسلوکی کا شیوہ اختیار کرتا ہے، اور اُس کو اُس افسردہ اور نرم خو شخص پر ترجیح دیتی ہے جو اُس کے ساتھ ہمیشہ ملاطفت کرتا ہے، بالخصوص جب بدسلوک مرد عورت کے معاملے میں غیور ہوتا ہے، اور اُسی غیرت کی وجہ سے اُس پر سختی کرتا ہے، اور نرم مزاج شخص اس کی پروا نہیں کرتا تو عورت اُسی بدسلوک ہی مرد کی فضیلت کا اعتراف کرتی ہے،

ہربرٹ اسپنسر کے نزدیک عورت میں مذہبی احساس نے اس لئے ترقی کی ہے کہ وہ قوت کی شیدائی ہوتی ہے، اس لئے ہر زمانہ اور ہر مقام میں عورت کا مذہبی احساس مرد سے زیادہ نمایاں رہا ہے، لیکن میں بذات خود یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ یہ مذہبی جذبہ عورت کے لطافت حس اور شدت تاثر کا نتیجہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی

ہے کہ عورت چونکہ اپنا کام خود نہیں کر سکتی اس لئے وہ ہمیشہ خوف اور غور و فکر میں رہنے کی خوگر اور اپنی مقصد برآری میں مادی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں کی محتاج ہے۔ اور اسی خوف غور و فکر اور مادی و اخلاقی احتیاج نے اُس کے اندر مذہبی احساس پیدا کیا ہے۔ لیکن اس موضوع کے متعلق ہم اس موقع پر اختصار سے کام لیتے ہیں، اس کے بعد ہم پھر دوبارہ بحث کرینگے، تاہم اسی اختصار سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ عورت کا مذہبی جذبہ جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے تربیت کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اُس نے فطرۃً اُس کے اندر یہ جذبہ پیدا کیا ہے۔

عورت میں اطاعت و فرمانبرداری کا جو فطری مادہ پایا جاتا ہے، اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں قوت کا احترام کرتی ہے، اور ہر قدیم اور معتاد چیز کی مشتاق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خانگی اور تمدنی رسومات کی محافظت من حیث الاغلب عورت ہی کرتی ہے وہ سیاسی مسائل میں بھی سخت مستبدانہ و جابرانہ حکومت کی طرف مرد سے زیادہ مائل ہوتی ہے، اور اُس کی یہ تمام امتیازی خصوصیات اُس فطرت سے پیدا ہوئی ہیں جو نسلاً بعد نسل اُس کے لئے موروثی چیز بن گئی ہے،

بہر حال وہ عام اقتدار کے سامنے بخوشی اپنا سر جھکاتی ہے، اور اُس سے نکلنے کی بہت کم کوشش کرتی ہے، وہ ان معاملات میں آزادی کی طرف کیونکر مائل ہو سکتی ہے؟ حالانکہ وہ حق صریح اور انصاف مطلق کے معنے سے واقف نہیں ہے، اُسنے دُنیا میں جو کچھ خیر و برکت حاصل کی ہے اُس میں وہ مرد کی ممنون احسان ہے، اُس کی نگاہ میں قانون زندگی صرف اسی کا نام ہے کہ مرد کی محبوب بن کر اپنی خواہشوں کو پورا کرے۔

زمانہ مستقبل پر ایک نظر

اس طویل بحث سے ہم کو وہ بنیادی سبب معلوم ہو گیا جس نے عورت کو مرد کا

فرمانبردار بنادیا ہے، اور اُس کی وجہ سے عورت کے خلاق میں جو تغیرات ہوئے ہیں وہ بھی ہم کو معلوم ہو گئے چنانچہ پہلی فصل میں ہم کو یہ نظر آیا ہے کہ عورت نے ایک طویل زمانے تک پست حالت میں زندگی بسر کی ہے، اور اس فصل میں ہم نے اس اجتماعی حالت کی وجہ اور اُس کے طبعی اور تشریحی سبب کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے، ان دونوں فصلوں سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ عورت نے کیوں مرد کی اطاعت قبول کی، اور کیوں ایک محدود حد تک اُس کو لازمی طور پر اس اطاعت کو قبول کرنا پڑے گا؛ اور اگر اُس نے اس اطاعت کے قبول کرنے سے انکار کیا تو نظام بشری کلیۃً اُلٹ پلٹ جائیگا، بلکہ اگر کوئی انسان اسکی کوشش کرے تو خود عورت کی فطرت، اُس کے اعضا کی ساخت، اُسکا اخلاق، اور اُس کا مزاج اس مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا کریگا اگر عورت کی اطاعت کے ساتھ مرد کی سختی اور سنگدلی شامل ہو جائے تو بے شبہ وہ ایک قابل نفرت چیز ہے، لیکن اگر تقسیم عمل کے ذریعہ سے اُس میں ہمواری پیدا ہو جائے، اور عدل و انصاف کی روح اُس کو لطیف بنا دے تو وہ ایک فطرتی چیز ہے، بلکہ اتحاد و اتفاق کے لئے جو فرق و امتیاز ضروری ہے اُس کے ساتھ اگر یہ فرمانبرداری پیدا ہو تو اس میں عورت کی کوئی ذلت اور توہین نہیں ہے، بلکہ خاندانی اتحاد کا سنگ بنیاد یہی ہے، اور جس طرح انسان کی ہمدمت کے لئے اعضائے جسمانی میں اتفاق و اتحاد قائم ہے، اُسی طرح خاندانی اتحاد بھی جماعت انسانی کی تولید کا اصلی سبب ہے لیکن اگر مرد کے ساتھ مساوات تام کے حاصل کرنے کی کوشش میں تحریک نسوانی نے اس کے مخالف دوسرا راستہ اختیار کیا تو خاندان جو اجتماع انسانی کا ستون ہے فنا ہو جائیگا، اور خود عورت کو بھی خاندان سے باہر کوئی سعادتمندی نہیں حاصل ہو سکتی، اس پر ہم کو فطرت کے اس فیصلہ کو تو تسلیم ہی کرنا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ اُن چیزوں سے بھی احتراز کرنا چاہئے جو اس فطری فیصلہ کو ناقابل برداشت بنا دیتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ جہانتک ممکن ہو اس حکم میں ترمیم و اصلاح کی کوشش بھی کرنی چاہئے، اور ہم عنقریب

یہ بتادینگے کہ یہ ترمیم کوئی معمولی چیز نہیں ہے، جب ہم کو عورت کے فطری حدود معلوم ہو گئے تو ہم اُس کے لئے ایک ایسا طریقۂ تربیت قائم کرسکتے ہیں جو ایک آن میں اُس کو بلند مرتبہ اور روشن خیال بنا سکتا ہے، اور اُن تمام فطری قوتوں کو نشو ونما دیسکتا ہے جو ایک طویل زمانے تک بیکار رہ چکی ہیں، اور اس کے ساتھ اس سے عورت کے حُسن و جمال میں بھی کوئی کمی نہیں آسکتی، عورت کی عقل اور عزت کو اس درجہ تک مرد کے ہم سطح کیا جا سکتا ہے کہ مرد اُس کو عزت کا مستحق سمجھنے لگے اور اس کے ساتھ وہ اُس کی محبت کے قابل بھی باقی رہے، ہم کو اس پر عمل کرنا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ عورت کے ضعف اور نقص کو بھی یاد رکھنا چاہئے، اسلئے نہیں کہ ہم اُس پر لعن و طعن کریں، بلکہ اسلئے کہ جہانتک ممکن ہو اُس کی اصلاح کریں، جن چیزوں کی عورت میں کمی ہے، اُس کو دیں، لیکن جو چیز اُس کے پاس موجود ہے اُس سے اُس کو محروم نہ کریں، اور اُسکی تقویت سے خوف زدہ نہ ہوں، جو مرد اس مقصد کیلئے کوشش کرتا ہے وہ خاندان کے فائدہ کے لئے اجتماع انسانی کے فائدہ کے لئے، بلکہ خود اپنے فائدہ کے لئے کوشش کرتا ہے، جس طرح عورت کی یہ ایک حماقت آمیز غلطی ہے کہ وہ اپنے متعلق فطرت کے فیصلہ کو فراموش کردے، اُسی طرح اگر عورت کی بلند رتبگی میں مرد اپنی توہین خیال کرتا ہے تو یہ اُس کی جہالت اور دناءت ہے، انسانی زندگی میں عورت کا جو حصّہ ہے وہ مرد کے حصّے سے کچھ کم شاندار نہیں ہے، تاہم اُس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مرد کے حصّے سے مختلف رہے، عورت اور مرد میں اسی حیثیت سے مساوات ہوسکتی ہے، لیکن اگر وہ دوسری قسم کی مساوات کی خواستگار ہے، تو وہ اس سے آسان ترین مساوات سے بھی محروم رہیگی اور اُس کی یہ بلند نظری محال کے درجہ تک پہنچ جائیگی، اس طریقے سے وہ مرد کی قلبی محبت کو فنا کردے گی، حالانکہ وہ مقتضائے انصاف سمجھ کر مرد سے اُس کا مطالبہ کرتی ہے ◆

چوتھی فصل

لڑکی

سن بلوغ سے پہلے مرد اور عورت کے اخلاق کا مقابلہ

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ عورت کی فطرت اور اُس کے اخلاق کا مطالعہ اُسکی زندگی کے روشن ترین مظاہر یعنی اُس زمانے میں کیا جائے جو انتہائے طفلی اور ابتدائے پیری کے درمیان میں واقع ہے، یا دوسرے الفاظ میں ابتدائے سن بلوغ (۱۳ اور ۱۴ سال کے قریب) سے آخر شباب تک (۴۵ سے ۵۰ سال تک) یہ مطالعہ جاری رہے، کیونکہ ذکوریت اور نسوانیت میں جو فرق ہے وہ اس زمانے سے پہلے مخفی رہتا ہے، اور اس زمانے کے بعد صرف اُس کی یاد ہی یاد باقی رہ جاتی ہے،

مختلف قوموں میں سن بلوغ کی ابتداء مختلف طور پر ہوتی ہے، مصر میں دس سال کی عُمر میں تقریباً عورت بالغ ہو جاتی ہے انگلستان میں ۱۸ سال سے پہلے کوئی عورت سن بلوغ کو نہیں پہنچتی، سن بلوغ جس قدر دیر میں شروع ہوتا ہے اُسی قدر اس سن کے نتائج، اور عورت کے حُسن و جمال میں اثبات اور استحکام پیدا ہوتا ہے،

مثلاً گرم ملکوں میں یہ سن ۲۰ سال سے زیادہ قائم نہیں رہتا لیکن قطر شمالی میں ۳۰ سال سے زائد قائم رہتا ہے، اس لئے عورت کے بالغ ہونے کی تمنا کرنا سخت غلطی ہے، بلکہ جن چیزوں سے سن بلوغ عاجلانہ طور پر شروع ہو جاتا ہے اُن سے جہانتک ممکن ہو احتراز کرنا چاہئے، لیکن اس رکاوٹ کے پیدا کرنے کی مقدرت ہم کو بہت کم حاصل ہے،

اسوقت یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تھوڑی دیر تک سن بلوغ سے پہلے لڑکی کی حالت پر غور کر لیں، یعنی اُس زمانے سے بیشتر جن میں اُس کے اندر صفات نسوانی کا ظہور ہوتا ہے، اور جس پر ہم اس کتاب میں غور کرنا چاہتے ہیں، اُس کی حالت پر نگاہ ڈال لیں، کیونکہ جو لوگ عورت کے مربی ہیں اُن کو اس سے بکثرت فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن ہم بڑھاپے کے زمانہ کو جس میں یہ اوصاف معدوم ہو جاتے ہیں نظر انداز کر سکتے ہیں، کیونکہ اُس کو عملی طور پر ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے +

فطری اور کسبی فروق و امتیازات

اگرچہ لڑکے اور لڑکی میں سن بلوغ سے پہلے عقلی اور اخلاقی حیثیت سے بہت کم فرق ہوتا ہے، تاہم یہ فرق بحث و مطالعہ کا بہت کچھ مستحق ہے، اس موقع پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکثر زبانوں میں "لڑکے" کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں طور پر مستعمل ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی قابل الذکر فرق نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ فطرت نے بچپن ہی کے زمانے سے مرد کے دل اور مرد کی عقل کو عورت کے دل اور عورت کی عقل سے ممتاز کر دیا ہے، اور دونوں کے سِن میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر یہ امتیاز زیادہ نمایاں ہوتا جاتا ہے، اس کے ساتھ بچوں کو جو خانگی تربیت دی جاتی ہے وہ اس فرق کو اور بھی بڑھا دیتی ہے، مثلاً ہم لڑکے کے ساتھ مرد کا سا برتاؤ کرتے ہیں، اور لڑکی کو تقریباً عورت خیال کرتے ہیں، اور

اس کا اثر اُن کے لباس، اُن کے کھیل کود، غرض اُن کے تمام متعلقہ امور سے ظاہر ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان فطرت نے جو حد فاصل قائم کر دی ہے وہ اور بڑھ جاتی ہے، یا اُس پر نئے نئے فروق و امتیازات کا اضافہ ہو جاتا ہے، اب یہ امتیاز اسقدر بڑھ گیا ہے کہ فطری اور عارضی میراث میں تمیز کرنا ایک مشکل کام ہو گیا ہے، ہم پانچ ہی سال کی عمر سے لڑکے کو مردانہ شعار سکھاتے ہیں، اسی طرح لڑکی میں قبل از وقت نسوانی اوصاف کو ترقی دیتے ہیں، چنانچہ اگر ہم لڑکے اور لڑکی کے کھیل کا باہم مقابلہ کریں تو ہم پر یہ مسئلہ نہایت واضح طور پر روشن ہو جائے گا مثلاً ہم لڑکے کے سامنے، تو ڈھول، بانسری، بندوق، تلوار، توپ اور جہاز وغیرہ رکھتے ہیں، لیکن لڑکی کے ہاتھ میں صرف گڑیا فرش فروش، کھانا پکانے کے برتن، سینے پرونے کی چیزیں، دھاگا، آئینہ، اور زیور وغیرہ دیتے ہیں،

تاہم ہمارے نزدیک لڑکی کے فطری اور کسبی اوصاف کی امتیاز، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ نسلاً بعد نسل موروثی بن کر بمنزلہ فطری اوصاف کے ہو گئے ہیں کوئی حقیقی چیز نہیں ہے، اس موقع پر ہمارے نزدیک جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان اوصاف کی موجودہ حالت کا مطالعہ کریں، اور اسی مطالعہ کے ضمن میں اولاً یہ بتائیں کہ لڑکی کے اخلاق کا بہت بڑا حصّہ یا تو کسبی ہے، یا تربیت کے اثر سے بہت بڑھ گیا ہے، اور ثانیاً یہ واضح کریں کہ جن اخلاق کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں اُن میں کوئی خلق ایسا نہیں ہے جو لڑکوں میں (نہایت حقیر شکل میں سہی) موجود نہ ہو فرق جو کچھ ہے وہ اُس کے مدارج ظہور و ترقی میں ہے +

حرکت

اپنی زندگی کے ایک مخصوص دور میں لڑکیاں لڑکوں سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی

ہیں، تم کو صاف نظر آتا ہے کہ وہ لڑکوں کے کھیل میں شرکت کرتی ہیں، اور اگر اُن کو اس شرکت سے روک دیا جائے تو وہ اس کی تمنّا رکھتی ہیں، میڈم گیرو کہتی ہیں کہ "اگر لڑکی کو اپنی خواہش کے پورا کرنے کا موقع ملے تو میری دانست میں کوئی لڑکی ایسی نہیں ہے، جو اکھڑ اور سخت لڑکوں کے کھیلوں کو اپنی معمولی اور لطیف دل بہلاؤ کی چیزوں پر ترجیح نہ دیتی ہو" اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حرکت کا شوق مرد اور عورت دونوں میں یکساں طور پر فطری ہے، دوسری حیثیت سے بہت کم لڑکے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بہن کی گڑیا یا اُس کے خانگی برتنوں کے ساتھ کھیلنے کا شوق نہ رکھتے ہوں، کیونکہ یہ طبعی انس، طبعی حرکت کی طرح دونوں میں بالکل فطری چیز ہے، باایں ہمہ عام طور پر لڑکوں کے کھیل کود کے سامان لڑکیوں کے کھیل کود کی چیزوں سے مختلف ہوتے ہیں،

جب ہم دونوں فریق کی حرکات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اگرچہ اُن کی مقدار میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، تاہم اُن کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی ہے، مثلاً لڑکے کی حرکات میں وسعت اور فراخی بہت زیادہ پائی جاتی ہے، لیکن اُن کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوتی، اس کے علاوہ لڑکا اُن حرکات کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے، جن کے لئے وسیع جگہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن لڑکی صرف محدود حرکت کو پسند کرتی ہے، چنانچہ لڑکا چلنے، دوڑنے اور کودنے کو پسند کرتا ہے، اور لڑکی اسٹیج پر ایکٹ کرنا چاہتی ہے، اور یہی حرکت اُس کے مدارج احساس کی ترجمانی کرتی ہے، خلاصہ یہ کہ لڑکے، کشمکش، سخت کھیل، اور تمام مظاہر قوت کو محبوب رکھتے ہیں، اسی طرح اُن کو غلبہ اور حکومت حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے، میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ "اسٹراسبرگ کے ایک باغ میں ایک بہت بڑا پنجرا تھا جس میں مختلف جانور رہتے تھے، چنانچہ لڑکیاں جب اس پنجرے کے پاس جاتی تھیں، تو جانوروں کو پہلے نرم آواز

میں بلاتی تھیں پھر اُن کے پاس روٹی کے ٹکڑے پھینک دیتی تھیں، لیکن لڑکے ان جانوروں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے، اور اُن کو پتھر مارتے تھے، میرے اس دوست نے تقریباً ہزار مرتبہ اس تماشے کو دیکھا، اور اس سے اشارۃً یہ نتیجہ نکالا کہ عورت اور مرد کے مزاج میں فطری فرق ہے،

گفتگو

لڑکیاں عادۃً لڑکوں سے پہلے گفتگو کرتی ہیں، اور میں اس پر اسقدر اور اضافہ کرتا ہوں کہ وہ اکثر لڑکوں سے زیادہ بولتی ہیں اگرچہ بک بک، جھک جھک، ایام طفلی کی خصوصیات میں ہیں، اور وہ مرد اور عورت دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں کیونکہ لڑکوں میں حرکت اور عمل کی فطری ضرورت بھی اختیار کرلیتی ہے اسلئے لڑکا جب بولنے لگتا ہے تو اس کی گفتگو کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوجاتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اس لئے بولتا ہے کہ اُس کی گفتگو سے لطف اندوزی حاصل کی جائے تاہم یہ وائی بکواس عورتوں میں مردوں سے زیادہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے لیکن عورت پر کبھی کبھی جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ زیادہ تر بے معنی گفتگو کرتی ہے، اس بیان سے ہم اُس کی تائید کرنا نہیں چاہتے،

تقلید

تقلید کا مادہ اگرچہ لڑکے اور لڑکیوں دونوں میں نہایت نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، لیکن لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ تقلید پرست ہوتی ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ نہایت خوبی کے ساتھ اُس پر غور کرتی ہیں، اُس سے متنبہ ہوتی ہیں، اور اُس کے نقل و اعادہ میں بڑی لذت

پاتی ہیں، اس حیثیت سے اُن کو لڑکوں پر عظیم الشان تفوق حاصل ہے، لیکن جدّت آفرینی اور اخذ و استنباط میں اُن کا درجہ لڑکوں سے کم ہے، جب ایک لڑکی اپنی گڑیا کے سامنے سُریلی آواز میں اُن الفاظ کا اعادہ کرتی ہے جس کو اُس نے اپنی ماں سے سُنا ہے تو یہ ایک عجیب و غریب نظارہ ہوتا ہے،

اس خصوصیت کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم نہایت آسانی کے ساتھ عورت کے بہت سے اخلاقی امور کی توجیہ کر سکتے ہیں، عورت میں جو لچک، جو نرمی اور جو فرمانبرداری پائی جاتی ہے، یا وہ خانگی حالات کے قالب میں ڈھل جانے کی جو صلاحیت رکھتی ہے، وہ اسی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں، اسی سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت میں ہر اشارہ کے نقل کرنے کی فطری قوت موجود ہے، اور جن چیزوں میں جدت آفرینی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اُن میں وہ کامل مہارت حاصل کر سکتی ہے اور اسی سے ہم پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت پر جو حالات گذرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو بالکل اُن کے مطابق بنا لینے کی فطری استعداد رکھتی ہے، اور جب وہ دفعۃً اپنے مرتبہ سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتی ہے، تو تعلیم و تہذیب کی کمی کو اسی استعداد کے ذریعہ سے پورا کر لیتی ہے،

لیکن ایک دوسری حیثیت سے اس تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رائے عام کی فرمانبردار بن جاتی ہے، موروثی عادتوں کے سامنے سر جھکا دیتی ہے، اور رسوماتِ معتادہ کے آگے سربسجود ہو جاتی ہے، اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت اُس کو اندھادُھند اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے، وہ اپنی شخصیت کو بالکل کھو دیتی ہے، اور قوت ایجاد و اختراع کا مادہ اُس میں نہیں پایا جاتا،

لڑکیوں میں حرکات و اشارات کی جو زیادتی پائی جاتی ہے، وہ بھی اسی قوت تقلید کے سلسلے میں مربوط کی جا سکتی ہے، متعدد لڑکیوں نے بچپن ہی کے زمانے میں یعنی

چھٹے سال یا اس سے پہلے، ایکٹری میں کمال حاصل کر لیا ہے، اور اکثر باکمال ایکٹرس کم سن لڑکیاں ہی ہوتی ہیں، ہم کو اپنی خانگی زندگی میں اس سے لڑکیوں کو محفوظ رکھنا چاہئے، تاکہ وہ ایکٹ کرنے میں غلو سے کام نہ لیں، اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں اس پر بھروسا نہ کرنے پائیں، اس کے علاوہ لڑکیاں دوسروں کے مقاصد، خیالات اور احساسات سے واقف ہونے کی مہارت لڑکوں سے بہت زیادہ رکھتی ہیں بالخصوص جب اس میں خود کوئی اُن کی مصلحت ہوتی ہے، تو اُن کی یہ مہارت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے، لیکن ہم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ لڑکی میں اس قوت کا جو رگ و ریشہ جڑ پکڑ گیا ہے، وہ عورت کے اُن اخلاق کے ساتھ مربوط ہے، جن کو اُس نے ایک طویل زمانے میں اس لئے سیکھا ہے کہ انہوں نے زندگی کی جنگ میں اُس کی بقاء و تحفظ میں اُس کو مدد دی ہے،

احساس

عام طور پر لڑکی کا احساس لڑکے کے احساس سے زیادہ نازک اور شدید ہوتا ہے چنانچہ جس لطف و محبت سے وہ اپنی گڑیا کی نگہداشت کرتی ہے اُس سے اُس کی یہ امتیازی خصوصیت نہایت واضح طور پر نمایاں ہوتی ہے، اور درحقیقت یہ اُس کی فطرت مادرانہ کے ظہور کا پیش خیمہ ہوتا ہے، جس کو عورت کے تمام فطری اخلاق پر ترجیح و امتیاز حاصل ہے، میشلہ نے کیا خوب کہا ہے کہ "عورت اپنے بچپن ہی کے زمانے سے ماں ہوتی ہے، بلکہ اُس کو ماں بننے کا اسقدر عشق ہوتا ہے، کہ جو ذی روح یا غیر ذی روح چیز اُس کے سپرد کر دی جائے وہ اُس کو بمنزلہ اولاد کے خیال کرتی ہے۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کو دیکھو کہ جب اُس کی چھوٹی بہن یا چھوٹی بہنیں اُس کے سپرد کر دی جاتی ہیں تو وہ کس لطف و مراعات کا اظہار کرتی ہے، اُن کی نگہداشت، اُن کی رضامندی،

بلکہ اُن کی تعلیم و تربیت تک میں کس قدر کوشش کرتی ہے، اور اس سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عورت سب سے پہلے ماں بننے اور تربیت دینے کے لئے پیدا کی گئی ہے، لڑکی عام طور پر بہ نسبت لڑکے کے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے، اور بہت جلد گھبرا اُٹھتی ہے، مثلاً لڑکے اگرچہ عام طور پر چوہے اور کیڑے مکوڑے سے ڈرتے ہیں، لیکن لڑکیوں کے دل پر اس خوف کا اثر زیادہ سخت ہوتا ہے، اسی طرح اگرچہ اکثر لڑکوں میں معمولی اسباب سے رونے کی استعداد ہوتی ہے، لیکن لڑکیوں کے آنسوؤں میں لڑکوں سے زیادہ روانی پائی جاتی ہے، اور وہ بہت آسانی سے جاری ہو جاتے ہیں ایک شخص کا قول ہے وہ کہ عورت کی زندگی کے ہر دور میں، رونا اس کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، اُسی کے ذریعہ سے وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرتی ہے، اور اُس سے عجائبات، معجزات کا ظہور ہوتا ہے، بعضوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لڑکے کے روحانی تاثر کا اظہار کسی نہ کسی قسم کی حرکت سے ہوتا ہے، اس لئے اُس کا اثر اس طریقہ سے جاتا رہتا ہے لیکن لڑکی چونکہ حرکت بہت کم کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے تاثر کو ضبط کرتی ہے، اور اُس کو چھپاتی ہے بہرحال وجہ کچھ ہو، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے فلسفیور پانلو کا قول ہے کہ "بعض لڑکیاں رونے کی سخت شیدائی ہوتی ہیں یہانتک کہ مجھے بعض ایسی لڑکیوں کا حال معلوم ہے جو آئینہ کے سامنے روتی تھیں، تاکہ رونے کی لذت دوگنی ہو جائے"

جذبات

فطری جذبات میں مصنف مذکور نے لڑکیوں کی طرف عموماً خود غرضی کو منسوب کیا ہے، لیکن میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس معاملے میں لڑکے لڑکیوں سے کچھ کم نہیں ہیں، بلکہ میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس میں لڑکیوں سے بڑھے ہوئے ہیں، البتہ جس طرح غصہ، غیرت، حرص اور غ... کے مظاہر دونوں

فریق میں مختلف رہتے ہیں، اُسی طرح دونوں کی خود غرضی کے مظاہر بھی الگ الگ ہیں، مثلاً لڑکیاں نہایت معمولی اور کم قیمت چیزوں کی حریص ہوتی ہیں، لیکن لڑکے اُن سے زیادہ فراخ دل اور سیر چشم ہوتے ہیں، ایک دوسری حیثیت سے لڑکے اپنے فضائل و مناقب پر غایت فخر کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، لیکن لڑکیاں بہت بالغ خودبین ہوتی ہیں، اور جاذب نظر کی مہارت اُن میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے، لیکن بعض مائیں بناؤ سنگار کے ذریعہ سے لڑکیوں کے اُن اوصاف کو جو ترقی دیتی ہیں اُس پر اُن کو ملامت کرنی چاہیئے، خود لڑکی کو اس خودنمائی پر آمادہ کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، وہ بطور خود ہر ممکن کوشش سے عمدہ صورت میں نمایاں ہونی چاہتی ہے، وہ اگرچہ اس پر زجر و توبیخ کی بھی مستحق ہو جاتی ہے، تاہم وہ بے التفاتی کو برداشت نہیں کر سکتی، بلکہ اپنی طرف ملتفت کرنے کے لئے وہ کبھی کبھی رو بھی پڑتی ہے، کھیل کود کی حالت میں ہر شخص نے لڑکیوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ کیونکر اپنے آس پاس کے لوگوں پر نگاہ رکھتی ہیں اور کیونکر اپنی مخفی نگاہوں سے اپنے متعلق لوگوں کی رائیں معلوم کرتی ہیں؟ تاہم لڑکے بھی ہر ممکن کوشش سے قلوب کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں، اور مردانہ شعار میں نمایاں ہو کر آنکھوں کو حیرت زدہ بناتے ہیں، لیکن اس معاملے میں لڑکیوں کو اپنی ذات کا خاص لحاظ ہوتا ہے، بلکہ کھیل کود کی حالت میں وہ اپنی نصف حرکات، اور نصف اقوال کا رُخ اپنے آس پاس کے لوگوں کی طرف کر دیتی ہیں،

لڑکی کے اسی شدت تاثر کے ساتھ اُس کی شرم و حیا بھی مربوط ہے، جو سن بلوغ کے بعد اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اور نمایاں ہو کر اُس کے خیالات کی رَوانی، اُس کے طریقہ تعبیر، اور اُس کے حذاقت و مہارت میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہے، چنانچہ وہ چند ہی روز کے بعد اپنی ایک ایک حرکت سے ہوشیار رہتی ہے، اور یہ

دیکھتی ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اُس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور نیز ایک ایسی چیز ہے
جو اُس کی فطری مہارت میں خلل انداز ہوتی ہے،

اب اس زمانے میں اُس کے دل میں جس قدر جذب نگاہ کی خواہش ہوتی ہے
اُسی قدر وہ اپنے حرکات واشارات میں تصنع سے کام لیتی ہے، مسٹر ویہانلو کا
بیان ہے کہ "ایک لڑکی نے جو ایک باغ میں اپنی ماں کے ساتھ سیر کر رہی تھی، فوراً
اُس کو روک لیا اور کہا کہ اماں! اس راستے سے واپس چلو! ماں نے کہا، بیٹی کیوں؟
بولی کہ اُس راستے میں ایک لیڈی ہے جس نے مجھ کو خوبصورت کہا ہے،" لیکن اگر
وہی لیڈی جس نے لڑکی کو اپنی طرف اسقدر مائل کیا تھا اگر اُس کی ماں کی ملاقات
کو آئے تو ظن غالب یہ ہے کہ وہ شرم وحیاء کے مارے اُس کے سامنے سے
بھاگ جائیگی،

لڑکی مسخر واستہزاء سے جو نفرت رکھتی ہے وہ بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے لیکن
وہ دوسروں کے ساتھ جو تمسخر واستہزاء کرتی ہے وہ اُس کو ناپسند نہیں ہے، لیکن دوسرے
لوگ اُس کے ساتھ جو تمسخر واستہزاء کرتے ہیں وہ اُس کو سخت مبغوض رکھتی ہے،
تو اپنے آس پاس کے لوگوں کی تحقیر کر سکتی ہے، لیکن خود اپنی تحقیر کی معمولی سے معمولی
علامت کو بھی برداشت نہیں کر سکتی بلکہ چھوٹی سے چھوٹی حقارت آمیز باتیں، اور خفیف
سے خفیف حقارت آمیز حرکات کو اپنی سخت توہین سمجھتی ہے،

لڑکیوں میں مسابقت کا وصف بہت زیادہ نمایاں ہوتا ہے، بالخصوص رضامندی
حاصل کرنے اور فریفتہ بنانے کی کوشش میں وہ ہمیشہ آگے نکل جانا چاہتی ہیں،
اور اُن کی مائیں خصوصیت کے ساتھ اُن کو اس گھوڑ دوڑ میں بازی لے جانے پر مجبور
کرتی ہیں، اگرچہ بعض طبائع اور بعض حالات میں یہ مسابقت رشک وحسد کی صورت
اختیار کر لیتی ہے، تاہم عموماً لڑکیوں میں اس میلان سے رشک وحسد نہیں پیدا

ہوتا، لیکن مسیسنور دو پانلو کا بیان ہے کہ بچوں کے طویل تعلیمی تجربے سے اُن کا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ عام طور پر لڑکیوں میں لڑکوں سے زیادہ رشک و حسد کا مادہ پایا جاتا ہے"

ارباب نظر کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں استقامت لڑکوں سے کم پائی جاتی ہے، لیکن وہ حیلہ حوالہ خوب کرتی ہیں، کسی چیز سے بچ نکلنے کا سلیقہ اُن کو خوب ہوتا ہے، ملمع سازی اور رنگ آمیزی اُن کو خوب آتی ہے، اور اغراق و مبالغہ کیطرف اُن کا میلان بہت زیادہ ہوتا ہے، اور اُن کو یہ سب کچھ کبھی مجبوراً کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی حصول لذت کے لئے بھی ایسا کرتی ہیں اُن میں جھوٹ بولنے کی مہارت بھی لڑکوں سے بہت زیادہ پائی جاتی ہے، چنانچہ اس معاملے میں وہ نہایت حاضر جواب ہوتی ہیں، اور بہت کم گھبراہٹ ظاہر کرتی ہیں، لیکن احساس سے زیادہ اس بحث کا تعلق ادراک اور ارادہ سے ہے، اس لئے ہم چند فقرے انکے متعلق بھی کہنا چاہتے ہیں +

ارادہ

ارادہ کا کامل ظہور تو ایک مخصوص سن کے بعد ہوتا ہے اِس لئے ایک طویل زمانے تک لڑکے اور لڑکی دونوں پر خوف غالب رہتا ہے، اور اُن کو اپنے ارادہ پر کسی قسم کا قابو اور اپنے نفس پر کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہوتا باایں ہمہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لڑکی کا ارادہ لڑکے کے ارادہ سے ضعیف ہوتا ہے۔ اس کی رہنمائی دور تک نہیں ہوتی، وہ زیادہ تر ... بھی حیثیت رکھتا ہے، مدافعت کے کام آتا ہے اور اکثر اس کا ظہور بغض، عناد اور بچگانگی رائے میں ہوتا ہے۔

لڑکی کی خواہشوں میں چونکہ ہمیشہ تلون پیدا ہوتا رہتا ہے، اور وہ فطرۃً ہر اس خواہش کی رغبت اس میں ہوتی رہتی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور پوری قوت کے ساتھ

اُس کے لئے کوشش کرتی ہے، اس لئے جب اُس کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو اُس میں لڑکے سے زیادہ تلون اور اضطراب پایا جاتا ہے۔

ذہانت

لیکن ذہانت کے لحاظ سے لڑکے پر تفوق رکھتی ہے، چنانچہ جو لوگ عورت کے سخت تریں دشمن ہیں، اور جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ عورت ہر میدان میں مرد سے پیچھے ہے، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرد اور عورت میں جو عقلی فرق ہے وہ سن شباب کے بعد ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس سن سے پہلے لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ ذہین، زیادہ قوی الحافظہ، اور زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں لیکن مجھے خود ذاتی تجربے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لڑکیوں کی ذہانت سطحی ہوتی ہے، وہ بہ نسبت لڑکوں کے مطالعہ کا کم شوق رکھتی ہیں اور غور و فکر اور ایجاد و اختراع میں اُن سے کم رتبہ ہوتی ہیں، تاہم بعض مستثنیٰ مثالیں بھی ہیں، اور ان مستثنیٰ مثالوں میں سب سے عجیب قصہ ایک لڑکی کا ہے جس نے آٹھ نو سال کے سن میں حیرت انگیز قوت عقلی کا اظہار کیا اور مسائل نفسانیہ و روحانیہ مثلاً زندگی کی ابتداء اور انتہاء مشکلات موت، ابدیت اور غیر متناہیت وغیرہ سے واقفیت حاصل کرنیکا عجیب و غریب شوق ظاہر کیا: اگرچہ ان واقعات پر اعتبار کرنا اور اُن سے استدلال کرنا کسی قدر مشکل ہے تاہم کم از کم ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نسوانیت اس نادر طریقے پر عقلی نشو و نما میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتی، خلاصہ یہ کہ لڑکی کی ذہانت لڑکے کی ذہانت سے پہلے پختگی حاصل کر لیتی ہے، اور اسکے بعد اُس کی نشو و نما میں جو رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، فطرت اس امتیاز کے ذریعہ سے اُس کا معاوضہ دیدیتی ہے؛

بہرحال عورت کے تاریخی اور جسمانی حالت کے مطالعہ سے ہم کو جن اخلاق کا پتہ چل سکا ہے، اس فصل کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ اُن کا بیج لڑکی میں بھی موجود ہے، اب اس فصل کے بعد ہم کو یہ معلوم ہوگا کہ کمال نشو و نما کے بعد جب لڑکی میں صفات نسوانی کا کامل ظہور ہوتا ہے، اُس وقت ان اخلاق کی کیا حالت ہوتی ہے؟

پانچویں فصل

عورت کا احساس اجمالی طور پر

دورِ انتقال

عورت کی نفسانی تشریح سے پہلے اُس کے دورِ انتقال یعنی اُس زمانے کے متعلق مختصر فقروں کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں وہ بچپن سے شباب کی طرف قدم بڑھاتی ہے،

اس میں شُبہ نہیں کہ عورت کی زندگی میں یہ مدت نہایت اہمیت رکھتی ہے، اسی میں اُس کی نسوانی صفات کا ظہور ہوتا ہے، اسی میں اُس کے مخفی اخلاق نمایاں ہوتے ہیں، اس سے پہلے وہ لڑکی تھی اب عورت ہو جاتی، اس کے پہلے وہ کلی تھی اب پھول بن جاتی ہے، اگرچہ یہ سن سخت خطرات سے گھرا ہوا ہوتا ہے، تاہم لڑکی ان خطرات کی بہت کم پروا کرتی ہے، اس لئے خود اُس کے مربیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اُس کے عوض ان خطرات سے ہوشیار رہیں، اور اس سخت زمانے میں ہمیشہ اُس کی محافظت کرتے رہیں تاکہ اُس پر جو عام بیچینی کی کیفیت طاری رہتی ہے اُس کے

پامال کُن اثر کو کم کر سکیں، اس زمانے میں لڑکی کو نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہئے، تاکہ یہ تبدیلی بغیر کسی غیر پسندیدہ انجام کے عمل میں آئے،

لیکن یہ تبدیلی صرف جسمانی حالت تک محدود نہیں ہے، بلکہ عقلی حالت کو بھی شامل ہے، کیونکہ اس میں عورت کی فطری قوتیں دفعتہً نشو ونما پاکر مکمل ہوجاتی ہیں، اور اپنی آخری منزل تک پہنچ جاتی ہیں، دوسرے الفاظ میں جس طرح عورت کی ذہانت حیرت انگیز تیزی کے ساتھ پختہ ہوجاتی ہے، اُسی طرح اسوقت اُس کے اخلاق نمایاں ہوجاتے ہیں، اس میدان میں مرد اور عورت کی دوڑ میں کوسوں کا فرق ہے، لڑکی نہایت جلد پختہ کار، اور باوقار ہوجاتی ہے لیکن لڑکا مدتوں کے بعد عاقل اور حکیم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بلوغ کی یہ مصیبت لڑکی کو بہت زیادہ شرمیلی بنادیتی ہے، وہ اپنی ذات اور اپنی حرکات پر بہت زیادہ غور وفکر کرنے لگتی ہے، اور عزلت گزینی، اور تنہائی پسندی، کی طرف بہت زیادہ مائل ہوجاتی ہے، غالباً لڑکی کی فطری قوتوں میں احساس سب سے زیادہ نمایاں ہے، اور سب سے زیادہ جلد ترقی کرتا ہے، اس لئے عورت کے اخلاق کی بحث میں ہم سب سے پہلے اُسی سے ابتدا کرتے ہیں،

شدت احساس

جن لوگوں نے عورت کے اخلاق کا مطالعہ کیا ہے اُن میں عورت کے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی، ان میں بعض نے عورت کی تعریف بھی کی ہے اور بعض نے ہجو بھی، لیکن یہ سب کے سب اس پر متفق اللفظ ہیں، کہ وہ جذبات کے میدان میں مردسے بازی لے گئی ہے، یہاں تک کہ شدت نے عورت کو جنس حساس

کا خطاب دیا ہے،

اس موقع پر احساس سے تاثر وانفعال کی قابلیت اور تلذذ، تالم، خوف، محبت اور بغض وغیرہ کی استعداد مراد ہے، اور یہ قابلیت اور یہ استعداد عورت میں مرد سے بہت زیادہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے، بلکہ عورت کی زندگی کا بہت بڑا حصّہ اسی پر مشتمل ہے،

اب ہم کو عورت میں اس وصف کو ثابت کرنا چاہیئے، اُس کے دلائل و براہین بیان کرنے چاہئیں، اُس کی تعلیل توجیہ وتشریح کرنی چاہیئے، اور اُس کی مختلف صورتوں کو بیان کرنا چاہیئے، اس کے بعد اس موضوع کی اہمیت سلجھی ہوئی شکل میں ہمارے سامنے نمایاں ہوگی،

اکثر جسمانی آثار سے احساس کی شدّت کا اندازہ کیا جاتا ہے، مثلاً شدّت احساس کی حالت میں چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، حرکات تنفس میں ناہمواری پیدا ہوجاتی ہے، دوران خون میں خلل واقع ہوجاتا ہے، آواز کا لہجہ بدل جاتا ہے، اور آدمی ہنسنے لگتا ہے، رونے لگتا ہے، چیخنے لگتا ہے، وغیرہ وغیرہ، غرض یہ تمام چیزیں مختلف قسم کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں، اور اُن تمام علامات سے عورت کی شدّت احساس کا ثبوت ہوتا ہے، وہ خوش ہو یا رنجیدہ، وہ ہنسے یا روئے، وہ نفرت کرے یا محبّت، وہ مغرور ہو یا خاکسار، لیکن وہ ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں کسی چیز کا احساس کرتی رہتی ہے، اور یک منٹ بھی محبّت یا بغض، یا کسی دوسرے جذبہ کے بغیر زندگی نہیں بسر کرسکتی،

لومبروزو کا اعتراض

لیکن علماء کی ایک جماعت نے جن کا پیشرو مشہور اجتماعی عالم لومبروزو ہے

ہے اس مسئلہ میں عام خیال کی مخالفت کی ہے، اُس کا بیان ہے کہ عورت میں احساس کی کمی پائی جاتی ہے، بالخصوص جن محسوسات کا تعلق حواس ظاہری سے ہے اُن میں یہ کمی اور بھی زیادہ واضح طور پر نمایاں ہوتی ہے، چنانچہ اُس نے متعدد تجربات اور مشاہدات کو پیش کیا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی قوت ذائقہ اور قوت شامہ (بالخصوص قوت شامہ) بہ نسبت مرد کے زیادہ کرخت ہوتی ہے، اور اُس میں یہ کرختگی بہ نسبت مرد کے دوگنا سے لے کر پانچ گونہ درجہ تک زیادہ پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی قوت شامہ کے متاثر کرنے کے لئے وہ غایت کثرت سے عطریات کا استعمال کرتی ہے، اُس نے جراحوں کی یہ شہادت بھی پیش کی ہے کہ آپریشن کے وقت عورت نہایت ضبط و صبر سے کام لیتی ہے، چنانچہ ایک جراح نے یہ ہدایت کی ہے کہ نئے آپریشنوں کا تجربہ سب سے پہلے عورتوں ہی پر کرنا چاہئے، کیونکہ اُن کا احساس مردوں سے کم ہوتا ہے اور وہ مرد سے زیادہ تکلیفات کو برداشت کرسکتی ہیں، اس سے بلزاک کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ "تکلیفات کے پیش آنے سے پہلے عورت اُن سے بہت خائف رہتی ہے، لیکن جب وہ پیش آجاتی ہیں تو اُن کو اس طرح برداشت کرلیتی ہے کہ مرد کے دل میں اس ضبط کا وہم بھی نہیں گذر سکتا" اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مریضوں کی تیمارداری میں عورت اپنے سکون و وقار کو بہت زیادہ قائم رکھ سکتی ہے،

لیکن میرے نزدیک ان تمام باتوں کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو ہر موقع اور ہر وقت کے لئے موزوں بنا لینے کی خاص قابلیت رکھتی ہے، اور اُس کو اپنی ذات اور اپنے جذبات پر قابو حاصل ہوتا ہے، لیکن لومبروزو اور اُس کے ہم خیال اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فطرت نے عورت کے لئے تکلیفات کی جو مقدار مقرر کی ہے وہ مرد سے بہت زیادہ ہے، اِس لئے اُسی قدر

اُس کو برداشت کی طاقت بھی دی ہے" لیکن جب ہم اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عورت جب متاثر ہوتی ہے تو اُس میں تاثر کی علامتیں مرد سے زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں تو لومبروزو اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ اس کو شدتِ احساس کی دلیل نہیں قرار دے سکتے، بلکہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت میں ہیجان بہت جلد پیدا ہوجاتا ہے" اس کے علاوہ عورت پر تاثر و انفعال کی جو کیفیتیں طاری ہوتی ہیں اُس کی ایک وجہ یہ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اُس میں نقل و حکایت کی عجیب و غریب طاقت پائی جاتی ہے، بالخصوص بعض عورتوں کو رونے کی خاص قدرت حاصل ہوتی ہے اور وہ جب چاہتی ہیں رو دھو سکتی ہیں" ہم عورت کی اس فطری قوت کا انکار کرنا نہیں چاہتے، خود ہم نے اس کو لڑکی کے اُن ممیزات میں شامل کیا ہے جن سے وہ بچپن میں لڑکے سے ممتاز ہوتی ہے، البتہ عورت کی تمام علامات احساس کی توجیہ میں اس پر جو اعتماد کرلیا گیا ہے ہم کو اُس میں مبالغہ نظر آتا ہے، اسکی معقول وجہ صرف یہ ہے کہ عورت میں تاثر و انفعال کی سخت قابلیت پائی جاتی ہے، کیونکہ جسمانی تاثر روحانی تاثر کا ترجمان ہوتا ہے۔

علم خطوط کی شہادت

بہرحال ہم بلاتذبذب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورت جذبات کے میدان میں مرد سے آگے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے، اور علم خطوط کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت مرد سے زیادہ شدید الاحساس ہوتی ہے، چنانچہ اس علم کے ایک ماہر نے عورتوں کے تین ہزار خطوط کا مقابلہ مردوں کے تین ہزار خطوط سے کیا تو ثابت ہوا کہ ساٹھ عورتوں یعنی فیصدی ۲ عورتوں کی قوت احساس ضعیف، ۵۳۷ عورتوں یعنی فیصدی ۱۷،۹ عورتوں کی معتدل، ۲۲۰۰ عورتوں یعنی فیصدی ۷۳،۶ عورتوں کی

قوی اور فیصدی ۵، ۶ عورتوں کی قریب قریب ماؤف ہے، لیکن مردوں میں اُس نے ۱۴ ۲ کو ضعیف الاحساس (یعنی فیصدی آٹھ کو) ۱۰۰ کو معتدل الاحساس (یعنی فیصدی ۶۶ کو) اور ۲۷ ۴ کو شدید الاحساس (یعنی فیصدی ۲۴ کو) پایا ❖

جذبات کی کشمکش عورت کے دل میں

ایک شخص کی محبوبہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ اُس کا مشغلہ کیا ہے؟ اور وہ کس چیز پر غور و فکر کرتی ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "اُس نے عمر بھر کبھی غور و فکر نہیں کیا البتہ وہ ہمیشہ محسوس کرتی رہتی ہے" یہ قول ایک خاص حد تک تمام عورتوں پر صادق آتا ہے کیونکہ اُن کا دل احساس سے لبریز رہتا ہے، یہاں تک کہ جب کبھی غور و فکر کرتی ہیں تو یہ بھی کسی نہ کسی احساس ہی کا نتیجہ ہوتا ہے،

اگرچہ مرد بھی متاثر ہوتا ہے، تاہم اکثر انفعال و تاثر کی کیفیت اُس پر دیر میں طاری ہوتی ہے، اور بہ تدریج شدت اختیار کرتی ہے، لیکن اس کے بالکل برعکس عورت اکثر اوقات میں دفعتہً متاثر ہو جاتی ہے، اگر ہم علمائے اخلاق کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو وہ عورت کے اس خلق کے بیان، اور اُس اہمیت کی تفصیل سے جو اس کو عورت کی زندگی میں حاصل ہے لبریز نظر آئینگی، فنلون کہتا ہے کہ "لڑکیوں میں جو اوصاف عام طور پر پھیلے ہوئے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ وہ معمولی اسباب سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں، مثلاً جب دو شخصوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھتے ہیں تو ایک کی جانب دار (گو مخفی طور پر سہی) بن جاتی ہیں، اس لئے وہ ہمیشہ بُغض و محبت کے نشے میں سرشار رہتی ہیں، لیکن ان کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی، وہ جس شخص سے محبت رکھتی ہیں اُس میں اُن کو کوئی عیب نظر نہیں آتا اور جس شخص سے بغض رکھتی ہیں اُنکی کوئی فضیلت اُن کو دکھائی نہیں دیتی" یہی وجہ ہے کہ فنلون نے عورت کی یہ

خصوصیت بتائی ہے کہ وہ ہر چیز میں غیر معتدل ہوتی ہے، وہ بھلائی میں بھی غیر معتدل روش اختیار کرتی ہے، اور بُرائی میں بھی، وہ محبت میں بھی جادۂ اعتدال سے دُور ہو جاتی ہے اور بغض و عداوت میں بھی، متعدد مورخین کا بیان ہے کہ جب کوئی عام شورش پیدا ہوتی ہے، تو جرأت، شجاعت اور کشمکش میں عورتیں تمام باغیوں کی پیشرو ہوتی ہیں، عورت کو سخت محبت سے بغض شدید کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ وہ عقل و وقار کی حالت میں بھی اُس کے جذبات توسط و اعتدال کے نقطے پر نہیں ٹھہرتے، وہ اپنے احساسات سے اکثر لذت اندوز ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اُس جذبہ سے بھی لُطف اُٹھاتی ہے جو خوف سے پیدا ہوتا ہے، اس دور کا ایک ناولسٹ کہتا ہے کہ بعض عورتوں کو احساس کا عشق ہوتا ہے، یہاں تک کہ معمولی سکون کی حالت پر مصیبت کو ترجیح دیتی ہیں" میرا خیال ہے کہ عورتیں عموماً ایکٹری کو پسند کرتی ہیں اور دردانگیز موثر مناظر کے ایکٹ کو ترجیح دیتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان مناظر کے کثرت کی شکایت نہیں کرتیں، اسپین میں بیلوں کی لڑائی کا جو منظر دکھایا گیا، متعدد مرد اُس کو نہ دیکھ سکے، لیکن مجھے کوئی عورت یا کوئی لڑکی ایسی نظر نہ آئی جس نے اس سے دلچسپی نہ لی ہو، میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا کہ زیادہ لطیف الاحساس اور نازک مزاج عورتیں اگرچہ بعض اوقات اس ہولناک منظر سے اس قدر بدحواس ہوئیں کہ اپنے ہاتھوں یا اپنے پنکھوں سے اپنا مُنہ تک نہ ڈھانک سکیں تاہم اُنھوں نے حسرت کے ساتھ اس ہولناک جنگ کی اوکھاڑ پچھاڑ کو بغور دیکھا، عورتوں کو اس قسم کے مناظر سے جو شیفتگی ہے اور اُن پر ان کا جس قدر شدید اثر پڑتا ہے اُس کی سب سے بڑی دلیل ایک لیڈی کا یہ قول ہے جو اُس نے مجھ سے اسی قسم کے ایک میلے کے بعد کہا کہ "اے جناب! یہ نہایت سخت منظر ہے، میں نے چالیس بار سے زیادہ اُس کو دیکھا تاہم وہ مجھ کو معمولی چیز نہیں معلوم ہوتا"

عورت کی اس اخلاقی امتیاز کے ثابت کرنے کے لئے بہت زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں، تمام لوگ اس سے اتفاق رکھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اس سے بھی متفق ہیں کہ عورت جب کسی چیز کی توقع کرتی ہے، تو اپنے تمام اعضاء و جوارح کے ساتھ کرتی ہے، میڈم دی ریموزا کہتی ہیں کہ "توقعات کی ناکامیابی سے ہم عورتوں پر یہ زیادہ آسان ہے کہ اپنی تمام ضروریات سے محروم ہو جائیں" شدائد و مصاحب کی حالت میں عورت کا صبر بے شبہ ایک عجیب و غریب چیز ہے، لیکن جب وہ کسی چیز کی متوقع ہوتی ہے، تو سخت اضطراب و بیچینی کے ساتھ یہ توقع قائم کرتی ہے، اور جب اُس کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اُس کے پورا کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دیتی ہے، اس راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اُس کو بہت کم روک سکتی ہے، بلکہ اُس کو یہ یقین ہی نہیں آسکتا کہ وہ جس چیز کے لئے جد و جہد کر رہی ہے وہ ناممکن ہے، اکتاف فولیہ کا قول ہے کہ "عورت یا اچھی سے اچھی چیز کو یا بُری سے بُری چیز کو اپنا مطمح نظر بناتی ہے" اس بنا پر اعتدال اور انصاف اُس کے محاسن اخلاق میں داخل نہیں ہیں،

ہم نے عورت کی خواہش کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہی اُس کے خوف کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے، جب وہ کسی چیز سے ڈرتی ہے تو مبالغہ آمیز طور پر ڈرتی ہے، عورت کی یہ عجیب و غریب فطرت ہے کہ وہ کبھی کبھی بغیر کسی معقول وجہ کے بھی سخت خوف کا احساس کرتی ہے، غالباً ہم سب حالت مرض میں کبھی کبھی دفعتہً ایسا ضعف محسوس کرتے ہیں جس سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں، یا کبھی کبھی ہم پر بلا وجہ بھی ایک عام اور مبہم خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے، لیکن عورت کے لئے یہ ایک معمولی بات ہے اور اُس کو اکثر اس قسم کا احساس ہوتا رہتا ہے، ایک شاعر نے عورت کے متعلق کیا خوب کہا ہے کہ "وہ رنج اور خوف کے لئے پیدا کی گئی ہے"

دیدرو کا قول ہے کہ "میں نے عورتوں کی محبت، غیرت، اور غصّے کو اُس انتہائی حد تک پہنچتے ہوئے دیکھا ہے جس کی مردوں کو خبر بھی نہیں" اور اس کی وجہ اُسنے یہ بتائی ہے کہ "مرد کی زندگی کے جھگڑے اُس کو جذبات کا غلام بننے نہیں دیتے، لیکن عورت کا سکون اور اُس کی بے فکری اُس کی خواہشوں کو تیز کر دیتے ہیں، اور اس آگ میں اُس کو جھونک دیتے ہیں" عورت کی جسمانی ساخت جو اُسے دماغی اضطراب میں شدت کے ساتھ مبتلاء رکھتی ہے اس پر مستزاد ہے،

اس میں شبہ نہیں کہ عورت کی گوشہ نشینی اُس کے جذبات کے اقتدار کو بہت زیادہ مشتعل کر دیتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جذبات کا خمیر ہی سکون اور تنہائی کی حالت میں تیار ہوتا ہے، سکون اور تنہائی کا بھی اثر خود مردوں کے اخلاق پر بھی پڑتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مرد اپنی خواہشات نفسانی کا اظہار نہیں کرتا، یا اُن کو ضائع کر دیتا ہے، تو وہ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہیں، اور وہ دن رات اُنہیں کی چھان بین میں لگا رہتا ہے،

احساس نسوانی کا عام رُخ

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ عورت کے احساس کا اصلی رُخ کیا ہے؟ یعنی اُس کا عام میلان محبت کے جانب ہے یا بغض کی طرف؟ میرا یقینی جواب یہ ہے کہ محبت ہی تمام جذبات کا مرکز اور سنگ بنیاد ہے، بالخصوص عورتوں کے تمام جذبات کا سرچشمہ محبت ہی ہے، بلکہ ایک خاص حد تک مرد کی بھی یہی حالت ہے، اگرچہ عورت میں اور بھی متعدد جذبات مثلاً نفرت، بغض، حسد، اور غصہ وغیرہ پائے جاتے ہیں، لیکن یہ سب کے سب کسی نہ کسی صورت میں محبت ہی کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، عورتیں اگرچہ فطرۃً مرد سے زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں، تاہم جب کوئی شخص اُن کی

خواہشوں کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ سخت سنگ دل ہو جاتی ہیں، لیکن یہ سنگ دلی بہت عام نہیں ہوتی بلکہ صرف اُنہی چیزوں تک محدود رہتی ہے جو اُن کی محبت میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں، اور اس صورت میں وہ بغض انتقام کی محسوس صورت اختیار کر لیتی ہے،

(محبت (وسیع معنوں میں) اور محبت کے جذبات عورت کے تمام فضائل کا ماخذ ہیں، اسی طرح اگر اس میں رکاوٹ پیدا کی جائے تو وہ اُس کے تمام معائب کا سرچشمہ بن جاتے ہیں) اس لحاظ سے عورت کے ضعف اور قوت دونوں محبت سے پیدا ہوتے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے کہ عورت محبت میں جسقدر قربانی کر سکتی ہے وہ مرد کے لئے بالکل ناممکن ہوتی ہے، لیکن اُس کی یہ محبت کبھی کبھی اُس کو گمراہ بھی کر دیتی ہے، اور اس حالت میں وہ ایسی چیز کی قربانی کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے جس کی قربانی کسی صورت میں مناسب نہیں ہوتی، یعنی وہ اپنی عزت و آبرو تک کو بھی کھو دیتی ہے، فرانس کی مشہور مصنفہ جارج ساںڈ نے عورت کی اُس لغزش کو جو سخت جذبہ سے پیدا ہوتی ہے، اس طرح ہلکا کر کے دکھایا ہے کہ "ذلیل عورتوں میں بھی اس قسم کی عورتیں مل سکتی ہیں جو بعض حکماء سے بھی افضل ہوتی ہیں، اُن لوگوں پر ترجیح رکھتی ہیں جو اُن کو پتھر مارتے ہیں،"

محبت ہی عورت کی تمام لذتوں کا مرجع ہے، جب تک وہ کسی چیز کو محبت کے ساتھ وابستہ نہیں کر لیتی اُس کے ساتھ لطف اندوز نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ عورتیں عموماً عاشقانہ ناولوں کے مطالعہ کی شائق ہوتی ہیں، بلکہ اگر فلسفہ کی مشکل کتابوں کا موضوع بھی محبت ہوتا ہے تو وہ اُس کے مطالعہ کی تکلیف بھی گوارا کر لیتی ہیں، لیکن اس کے علاوہ کوئی موضوع اُن کے لئے بہت کم لذت بخش ہوتا ہے، دورِ جدید کا ایک نقاد کہتا ہے کہ "عورت جب کسی ناول کا مطالعہ کرتی ہے تو

اُس میں اپنے، یا اپنی سہیلیوں کے اسرار زندگی کی جستجو کرتی ہے" لیکن میرے نزدیک اُس کے مطالعہ کی لذت کے لئے ان اسرار کی ضرورت نہیں، بلکہ اُس کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ ناول میں عشق و محبت کی چند باتیں ہوں جو اُس کی قدیم محبت کو اگر وہ اس سے پہلے محبت کر چکی ہے، یاد دلادیں لیکن اگر اُس نے ابتک محبت نہیں کی ہے تو وہ اُس کی محبت کی قائم مقام میں جائیں،

جب عورت کی محبت اپنے انتہائی درجے کو پہنچ جاتی ہے، تو اُس میں اور چند اجزاء شامل ہوجاتے ہیں، اور اسوقت وہ ایک مرکب چیز بن جاتی ہے، جس کے اجزاء کی تحلیل سخت مشکل ہوجاتی ہے، میرے خیال میں عورت کی محبت مرد کی محبت سے اصولاً جس چیز میں مختلف ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کی محبت میں کچھ نہ کچھ حصہ خوف کا ضرور شامل ہوتا ہے، لیکن مرد اس قسم کی محبت کا تخیل بھی نہیں کرسکتا، بلکہ خوف مرد کی محبت کو بالکل فنا کر دیتا ہے، کیونکہ مرد کی محبت سب سے ضروری شرط تفوق و اقتدار ہے، لیکن عورت کی محبت اضطراب اور گھبراہٹ کے عناصر سے بہت کم خالی ہوتی ہے، جارج ایلیٹ کا قول ہے کہ "عورت اُس مرد سے محبت نہیں کرتی جو اُس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جاتا ہے" اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عورت کو یہ معلوم ہے کہ صرف سخت اور قوی چیز پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اس بنا پر جو شخص اُس کے ہاتھ کا کھلونا بن جاتا ہے اگر وہ اُس کو ذلیل سمجھتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، محبت نسوانی کی ایک خصوصیت "شجر ممنوعہ کی کشش" ہے یعنی وہ جس چیز کی محبت سے روک دی جاتی ہے، اُس کا جذب و میلان اُس کی طرف بڑھ جاتا ہے، لیکن مرد اور عورت دونوں میں یہ خصوصیت مشترک طور پر پائی جاتی ہے، کیونکہ متعدد وجوہ سے ہر ممنوع چیز مرغوب ہوجاتی ہے، اولاً تو جس چیز سے روکا جاتا ہے اُس میں خود ایک فطری کشش ہوتی ہے، اگر ایسا یہ ہوتا تو ممانعت کی

کوئی ضرورت ہی نہیں آتی، ثانیاً جس طرح پانی روک دینے سے اور بھی جوش مارنے لگتا ہے، اُسی طرح رُکاوٹ خواہشوں میں تیزی اور طغیانی پیدا کر دیتی ہے بایں ہمہ عورت ممنوع چیزوں سے بہت زیادہ فریفتگی ظاہر کرتی ہے، کیونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عورت کی محبت میں کچھ نہ کچھ گھبراہٹ اور خوف کا حصہ ضرور شامل ہوتا ہے، اور اُن سے اُس کے جذبات کی آگ اور بھڑک اُٹھتی ہے، اس کے علاوہ عورت اپنی بیکاری کی وجہ سے بہ نسبت مرد کے امتحان و آزمائش کا بہت کم مقابلہ کر سکتی ہے، یا یہ کہ جدید علمائے نفس کی رائے کے مطابق اُس کو بہت جلد ورغلایا جا سکتا ہے اور خود یہ ممانعت اُس کو ممنوع چیز کے تخیل میں ہمیشہ مستغرق رکھتی ہے اور اُس کو ورغلایا کرتی ہے۔

فائدہ

اس بنا پر ہم تربیت بالخصوص لڑکیوں کی تربیت کے متعلق ایک اساسی قاعدہ یہ بنا سکتے ہیں، کہ "جہاں تک ہو سکے ممانعت کم کرنی چاہئے"، کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم بہ نسبت اوروں کے بہت زیادہ چیزوں کو لڑکیوں کے لئے ممنوع قرار دیتے اور اکثر یہ ممانعت اُن کو اُن چیزوں کی فکر میں مبتلا رکھتی ہے، اور اُن کے لئے جد[illegible] کرنے کی آمادگی پیدا کرتی ہے،

اس بحث سے لڑکیوں کی تربیت کے متعلق یہ فائدہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ لڑکیوں کے اُن اوصاف کو ترقی دینی چاہئے، جن سے اُن کے اضطراب آمیز حرکات میں ہمواری پیدا ہو اور اُنکی لطافت احساس اور سرعت تاثر میں کمی واقع ہو تا کہ اُنکے دل پر اُنکی عقل کی حکومت قائم ہو جائے، عقل اور دل لازمی طور پر دو متضاد چیزیں نہیں ہیں، اگرچہ اکثر مرد پر عقل کا اور عورت پر دل کا اقتدار قائم رہتا ہے، لیکن تربیت سے عورت کی محبت میں عقل اور وقار کی آمیزش کی جا سکتی ہے، اور مرد کی دانشمندی میں جذبہ و احساس کی حرارت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

چھٹی فصل

عورت کا احساس

وہ جذبات جو ذات سے تعلق رکھتے ہیں

ہم نے پہلی فصل میں اجمالی طور پر عورت کے احساس سے بحث کی ہے، اور اُس میں شدت کے ساتھ متاثر ہونے کی جو قابلیت پائی جاتی ہے اُس کو بیان کیا ہے۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اس احساس کو تحلیل کر کے دیکھیں کہ عورت کے دل میں کس قسم کے جذبات پائے جاتے ہیں؟ اُن کی مختلف صورتیں، اور اُن کے مختلف مظاہر کیا ہیں؟ اور اس حیثیت سے تقابلۃً اُس کو مرد کے ساتھ کیا نسبت ہے؟

ہم نے پہلی فصل کے اخیر میں یہ بیان کیا کہ محبت اور محبت کے برے بھلے نتائج سے عورت کی زندگی کا بہت بڑا حصہ لبریز ہے۔ لیکن مرد سب سے پہلے عقل و فکر سے اپنی زندگی میں کام لیتا ہے۔ تاہم یہ ایک اجمالی فیصلہ تھا جس پر ہر حالت میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر ہم محبت کو اُس کے ترقی یافتہ معنے میں لیں اور اُس کو انانیت اور ذاتی محبت سے الگ رکھیں، تو یہ غلطی بالکل واضح ہو جائے گی

کیونکہ دُنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنی ذات کی محبّت نہیں کرتا، البتہ کبھی کبھی انسان مشق اور کوشش سے اس فطری جذبہ پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے،

محبّت ذات

بہرحال ہر شخص میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی ذات کی محبت کرے، عورت اور مرد میں اس جذبہ کے مظاہر اگرچہ مختلف ہوتے ہیں، تاہم اس حیثیت سے عورت اور مرد دونوں کی حالت ایک ہے، لیکن مصنّفین کی ایک جماعت اس حیثیت سے عورت کو مرد پر ترجیح دیتی ہے، میڈم گیزو کہتی ہیں کہ "جس چیز کو عورت کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی" میڈم نکردی سوسور کا قول ہے کہ "اگر تم نوخیز بالخصوص متمدّن اور ناز پروردہ عورتوں کے اخلاق کا مطالعہ کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ اُن کا پہلا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نگاہوں کو اپنی طرف ملتفت کریں، آنکھوں میں چکاچوند پیدا کریں نہ یہ کہ صداقت وخلوص کے ساتھ محبت کریں" پھر وہ اس قول پر اس قول کا اضافہ کرتی ہیں کہ "جب عورت ایک مخصوص سن سے آگے بڑھ جاتی ہے تو فطرت پلٹتی ہے اور عورت سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہے" "اگر ہم جدید عاشقانہ ناولوں کا مطالعہ کریں اور اُن میں اُن کے ہیروں کے اخلاق پر غور کریں، تو ہم کو اُن میں سچے اور فیاض دل نہ ملیں گے بلکہ اس کے بجائے ہم کو نمائش کا شوق، اور جذب نگاہ کی کوشش کا منظر نظر آئیگا اور ہم کو ایسے دل ملیں گے جو اپنے ذات کے سوا کسی اور کی محبت کرنا نہیں جانتے" چنانچہ موپاسان نے اپنے ایک ناول کی ہیروئین کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ "وہ اپنی ذات کی پرستش کرتی تھی" الفونس دودہ نے بھی ایک عورت کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ دودہ ایک خفیف الحرکات لڑکا ہے جس میں خباثت، رذالت، جھوٹ،

اور بزدلی سب کچھ پائی جاتی ہے، اس کے ساتھ وہ حریص بھی ہے، اور خود بین بھی"

اس میں شبہ نہیں کہ ان اوصاف میں مبالغہ پایا جاتا ہے، اور وہ صرف بعض مستثنیٰ مثالوں پر صادق آسکتے ہیں، تاہم اس جھوٹ میں ایک حصہ سچ کا بھی شامل ہے، کیونکہ مرد اور عورت دونوں میں ذاتی محبت کا فطری جذبہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے، جو لوگ اپنے نفس کی قربانی کر دیتے ہیں، ہم اُن کی قدر اس لئے کرتے ہیں کہ انہوں نے اس فطری جذبہ پر غلبہ حاصل کرلیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس قربانی کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی،

غرض شخصیت اور انانیت تو مرد اور عورت دونوں میں مشترک طور پر موجود ہے، البتہ ان کا رُخ اور ان کا مظہر دونوں میں مختلف ہے، اور اسوقت صرف یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی انانیت کا رُخ کیا ہے؟ اور وہ کون کون سے قالب اختیار کرتی ہے؟

پہلے ہم اس انانیت کے پست ترین مظاہر پر غور کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد اُس کے اعلیٰ ترین مظاہر پر غور کرینگے، پست ترین مظاہر سے وہ مظاہر مراد ہیں جن میں جسمانی خواہشوں کا غلبہ رہتا ہے، اور اعلیٰ ترین مظاہر وہ ہیں، جو رُوحانی تحریک اور روحانی خواہشات سے پیدا ہوتے ہیں،

پست درجہ کے مظاہر

عام طور پر انانیت اپنی سب سے بدترین شکل یعنی اُس صورت میں جب وہ بالکل خواہشات جسمانی سے تعلق رکھتی ہے عورت میں مرد سے کم پائی جاتی ہے، اُس کی ضروریات زندگی کمیت اور کیفیت دونوں میں مرد سے کم ہوتی ہیں، اور عورت میں یہ کمی یا تو بالکل فطری ہے یا اس لئے پیدا ہوگئی ہے کہ اُس کو قناعت اور کفایت شعاری کا

خوگر بننا اور مجبوراً اپنی خواہشوں کو روکنا پڑتا ہے، لیکن مرد اپنی قوت اور سیادت کی بنا پر بہت کم اپنی خواہش کو ضبط کرتا ہے، اس لحاظ سے مرد پر یہ الزام بالکل بجا طور پر لگایا جاسکتا ہے، کہ وہ عورت سے زیادہ مُنہ، اپنے پیٹ اور اپنے حواس کا غلام رہتا ہے، لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورتیں عموماً اپنی قوت شامہ اور قوت ذائقہ کی مرغوبات کی اطاعت گذار ہوتی ہیں، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عورتوں کو خوشبودار چیزوں کا عشق ہوتا ہے، اور مختلف قسم کی مٹھائیوں پر جان دیتی ہیں، لیکن میرے خیال میں یہ فطری چیز نہیں ہے، بلکہ مخصوص مقامات اور مخصوص حالات کا نتیجہ ہے، تاہم اگر ہم اس کو تسلیم بھی کریں، تو مردوں میں ذاتی محبت کی جو مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں، نسبتہً یہ اُن سے بہت کم برنما معلوم ہوگی، اگرچہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں عورت کو بھوک بار بار معلوم ہوتی ہے، تاہم وہ کھانے پینے کے معاملات میں مرد سے بہت زیادہ قانع ہوتی ہے، اور تھوڑا سا کھا پی کر اپنا وقت گذار دیتی ہے، وہ مسکرات کی طرف بھی بہت کم توجہ کرتی ہے، اور سگرٹ نوشی کی عادی تو بہت ہی کم ہوتی ہے عورت کی طرف کاہلی کی جو نسبت کی جاتی ہے، ہم اس پر ارادہ کی فصل میں بحث کرینگے، اس وقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ مرد سے بہت زیادہ ضعیف ہوتی ہے، بہت جلد تھک جاتی ہے، اور [illegible] سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے، لیکن غالباً یہ حالت [illegible] تربیت کا نتیجہ ہے [illegible] قسمتوں میں کام کرتی ہیں، وہ ہمت، نشاط، اور [illegible] میں مردوں کے مثل ہوتی ہیں، بلکہ خود شہروں میں بھی بعض عورتیں، خانگی امور اور تمدنی فرائض مثلاً تجارت اور جلسوں کی شرکت وغیرہ میں مردوں کی طرح مستعدی ظاہر کرتی ہیں۔

الغرض عورت کی ضرورتیں اور عورت کی خواہشیں نوعیت اور کیفیت دونوں حیثیت سے مرد کی ضرورتوں اور خواہشوں سے مختلف یعنی زیادہ نرم اور نازک

ہوتی ہیں،

اوسط درجہ کے مظاہر

اب ہم کو یہ بتانا چاہئے کہ جو جذبات جسمانی اور رُوحانی دونوں اجزاء سے مرکب ہیں، اُن کی کیا حالت ہے؟ مثلاً علمائے نفس زندگی کی محبت کو عادۃً انہی جذبات میں شمار کرتے ہیں، اور اس جذبہ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نفس انسانی کی گہرائی میں جاگزین ہوگیا ہے، اور اس حیثیت سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ دونوں کے افراد میں ہے، دونوں کی جنس میں نہیں ہے، لیکن شعراء زندگی کی محبت کو عورت کی طرف خصوصیت کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اس دُنیا کے ساتھ وابستگی سخت دلبستگی پیدا کرنا مردانہ شعار نہیں ہے، مرد کو عورت سے زیادہ دلیر، زیادہ حملہ آور اور زیادہ جانباز ہونا چاہئے لیکن اگر مرد میدان جنگ میں اپنی شجاعت کا اظہار کرتا ہے، تو عورت کے لئے بھی بہت سے میدان ہیں جن میں اُس کی شجاعت ظاہر ہوتی ہے، تاہم یہ میدان گھر کی چاردیواری، مریض کے کمرے، بلکہ خود اُس کی ذات سے باہر نہیں ہیں، وکٹر ہیگو کہتا ہے، کہ "دلوں کی شورش کے آگے قوموں کی شورش بالکل ہیچ ہے"، عورت کی بھی شجاعت ہے اور خود مردوں کے افراد میں جسقدر شجاعت پائی جاتی ہے، وہ اُس سے بہت زیادہ عورتوں کے افراد میں موجود ہے۔

اعداد و شمار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرد بہ نسبت عورت کے زیادہ خودکشی کرتے ہیں اور ان میں باہم چار اور ایک کی نسبت قائم ہے، لیکن اس کے متعدد اسباب ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

معقولات اور اشیاء کے ساتھ دلبستگی پیدا کرنا بھی انہی متوسط درجے کے جذبات میں شامل ہے۔ اور پُرسکون، خانگی معاشرت کی وجہ سے وہ عورت میں فطرۃً

اپنے حق میں کوئی کمی نہیں کرتی" میڈم دی جیرار دان کا قول ہے کہ "غبی عورت کے بعد فرانس میں فیاض عورت کا قحط ہے" میڈم موصوف فیاضی سے صرف وہی فیاضی مراد نہیں لیتیں جس کا تعلق خرچ کرنے سے ہے۔ بلکہ ہر قسم کی فیاضیاں مراد لیتی ہیں، کیونکہ ان میں باہم خاص تعلقات قائم ہیں،

ان تمام باتوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت چونکہ ہر چیز میں غیر معتدل ہوتی ہے، اس لئے جب وہ بخل کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس میں بھی غلو کرتی ہے، فنلن اپنی کتاب "تربیت البنات" میں لکھتا ہے کہ "لڑکیوں کی کفایت شعاری بخل کی صورت اختیار کرنے نہ پائے، اس سے ہوشیار رہو، اور ان کو بتاؤ کہ یہ ایک ذلیل خصلت ہے۔ لڑکی کی کمائی کم ہے، اور سوچ زیادہ ہوتی ہے، حقیقی کفایت شعاری نظام و ترتیب سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ بخل اور کنجوسی سے" یہ بالکل سچ ہے کہ عورتوں میں زیادہ تر بخل صرف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ جمع کرنے اور کفایت شعاری کی طرف بہت زیادہ مائل ہوتی ہیں، جس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ ان کا بخل اس بے اعتدالی کا نام ہے جو ایک قابل تعریف فضیلت میں پیدا ہو گئی ہے، اسی سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کا بخل کیا کیا صورتیں اختیار کرتا ہے، عورت خود نہ کچھ کماتی، نہ کچھ پیدا کرتی، نہ کچھ جمع کرتی، اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ خرچ نہیں کرتی، اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کو [illegible] نہیں کرتی، اس کے علاوہ عورت کا ضعف، بیماری، [illegible] نگہداشت، فکر انتظام اس کو احتیاط کی طرف مائل کرتی ہیں، تاکہ وہ فقر و احتیاج میں مبتلا نہ ہو جائے علم قراۃ الخطوط کی کتابوں میں ہے کہ عورت کے [illegible] ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اوقات میں اس کا بخل بھی [illegible] ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ [illegible]

روپیہ صرف کرتی ہیں، لیکن اس کا نام فیاضی نہیں ہے، کیونکہ نمائش کو فیاضی کی دلیل نہیں قرار دے سکتے،

ہم نے اوپر جن جذبات کا ذکر کیا ہے اُن کی طرف لڑکیوں کے مربیوں کو خاص توجہ کرنی چاہیئے، تاکہ اُن میں عورت غیر معتدل نہ ہونے پائے، بلکہ ترتیب و اعتدال کے ساتھ صرف کرنے کے طریقے سے واقف ہو،

ترقی یافتہ مظاہر

اب ہم کو ذاتی محبّت کی رُوحانی صورتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورت میں کونسی صورت زیادہ نمایاں ہے؟ ہم کو اس مقام میں دو جذبات یا اس سے زیادہ مناسب طور پر دو مختلف نوع کے جذبات میں فرق و امتیاز کرنا چاہیئے، ایک طرف تو تکبر، سرکشی اور گھمنڈ، دوسری طرف خود بینی، ناز اور نمائش کا شوق، ذاتی محبت کی مختلف صورتیں ہیں، لیکن پہلی قسم مردوں میں اور دوسری قسم عورتوں میں زیادہ نمایاں ہے، میڈم ۔ ی ریموزا کہتی ہیں کہ "جو حالات مرد کو تکبر پر آمادہ کرتے ہیں، وہی عورت کو خود بینی اور اترانا سکھاتے ہیں" قوت اور تفوق کے یقین سے انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن خود بینی اُس اثر کا نتیجہ ہوتی ہے جو انسان دوسرے پر ڈالتا ہے، دوسرے الفاظ میں خود بینی کے لئے ایک شخص یا متعدد اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے جن پر مطلوبہ اثر ڈالا جا سکے، لیکن تکبر کا جذبہ صرف اُس شخص تک محدود رہتا ہے جو اس کا احساس کرتا ہے، اس میں شُبہ نہیں کہ عورت کے اخلاق میں یہ جذبہ بالکل فطری ہے، وہ فطرۃً دوسروں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتی ہے فنلن کہتا ہے کہ لڑکیوں کی خود پسندی اور شوق نمائش سے زیادہ کسی چیز سے نہ ڈرو، اُن میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی اثر ڈالنے، اور

نگاہوں کے متوجہ کرنے کا سخت میلان پیدا ہو جاتا ہے"

لیکن ہم مردوں کو بھی ان فطری جذبات سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے، چنانچہ میں نے ایک بار ایک روشن خیال لیڈی سے دریافت کیا کہ عورت کا وہ کونسا خلق ہے جو اس جنس کے لئے ما بہ الامتیاز ہو سکتا ہے؟ اُس نے فوراً جواب دیا کہ "نمائش کا شوق" پھر کہا کہ "اگر عورت میں یہ کھلا ہوا عیب موجود نہ ہوتا، تو اُس میں اخفائے راز کی جو مہارت ہے وہ اُس کو نازک سے نازک سیاسی صیغوں کے قابل بنا دیتی" لیکن اُس میں خود بینی، نمائش اور اثر ڈالنے کا جو شوق پایا جاتا ہے، وہ اُس کو جلد فرمانبردار، اور حملے کے قابل بنا دیتا ہے" لیکن اتفاق سے چند دنوں کے بعد مجھ سے ایک تجربہ کار سیاسی مدبر سے ملاقات ہو گئی، اور میں نے اُس سے اس گفتگو کا تذکرہ کیا، تو اُس نے اُسی وقت کہا کہ "وہ لیڈی سخت غلطی میں مبتلا ہے، اس معاملے میں مرد کو عورت پر ترجیح دینا جہالت ہے، بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ عورت سے زیادہ نمائش کے لئے جد و جہد کرتا ہے، وہ دس بار میں نو بار اسی جذبہ کے ڈھکیلنے سے آگے بڑھتا ہے، یہی اُس سے لغزشیں کرواتا ہے، اور یہی اُس کو افشائے راز پر آمادہ کرتا ہے" غالباً اب ہم نے عورت کے معاملے میں کسی قدر انصاف سے کام لیا، یعنی اُس میں نمائش اور اثر اندازی کا جو شوق ہے اُس کا انکار تو نہیں کر سکتے، لیکن ہم کو اس سے انکار ہے کہ یہ شوق صرف اُسی میں پایا جاتا ہے۔ بایں ہمہ مرد اور عورت میں اس جذبہ کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، مرد میں اُس کا ظہور خودداری، غرور، اور اعتماد علی النفس کی صورت میں ہوتا ہے، اور عورت میں وہ تبختر آمیز ناز و انداز کی شکل اختیار کرتا ہے درحقیقت قلب و نگاہ بالخصوص مردوں کے قلب و نگاہ میں جذب و کشش پیدا کرنے کا مادہ عورتوں میں فطرۃً پایا جاتا ہے، اور کبھی کبھی اضطراراً اور غیر محسوس طور پر اُن سے اس کا ظہور ہوتا ہے، جن لوگوں نے عورت کی ذات، اور اُس کے اخلاق کا مطالعہ کیا ہے وہ سب کے

سب اس پر متفق ہیں، بلکہ اس نے ایک عام ضرب المثل کی صورت اختیار کر لی ہے روشو کہتا ہے "نخرہ آمیز ناز و انداز عورت کے فرائض کا ایک جزو ہے" لارڈ شفو کا قول ہے کہ "ناز عورت کے مزاج کا سنگ بنیاد ہے" ایک اور شخص کہتا ہے کہ "عورت اپنی خواہش پر تو قابو پا سکتی ہے، لیکن لوگوں کے مبہوت کرنے اور اُن پر اثر ڈالنے کا جو فطری جذبہ اُس میں پایا جاتا ہے اُس پر قابو نہیں حاصل کر سکتی" لیکن یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے، عورت کی زندگی کا منتہائے آرزو محبت ہے، بلکہ وہ اپنی اجتماعی حالت کے لحاظ سے اس پر مجبور بھی ہے، کیونکہ جب تک وہ مرد کو اپنا شیفتہ نہیں بنا لیتی اُس کا کوئی اثر و اقتدار نہیں قائم ہو سکتا، اس لئے محبوب بننے کے لئے نگاہوں کی کشش اُس کے لئے ضروری چیز ہے، زندگی کی جنگ میں اُس کا ہتھیار صرف یہی ہے، اور اس ہتھیار کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس میدان کو فتح کر لیتی ہے، اور مرد کے دل پر اپنا اثر قائم کر چکتی ہے، تو ایسی لذت محسوس کرتی ہے جس کے برابر اُس کے نزدیک دنیا میں کوئی لذت نہیں، ایتان اپنی ایک یادداشت میں کہتا ہے، کہ "عورت کی سب سے بڑی تعریف یہ اُس سے یہ بیان کر دیا جائے کہ لوگوں کے دلوں پر اُس کا کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے" فنلون کہتا ہے "چونکہ مردوں کی طرح اقتدار اور بزرگی حاصل کرنے کا راستہ عورت کے لئے بند ہے اس لئے وہ عقلی اور جسمانی لذت سے اس کا معاوضہ کرنا چاہتی ہے، اسی بنا پر عورتوں کو گفتگو کرنے کا بڑا سلیقہ آ جاتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ زیب و زینت کا بڑا سامان کرتی ہیں، گندھے ہوئے بال، کپڑے کے بوٹے اور ٹوپی کی خوبصورت شکل، اُن کے نزدیک اہم مسائل میں داخل ہیں" اس فقرے میں اگرچہ بہت کچھ ظرافت پائی جاتی ہے تاہم اس سے بعض وہ طریقے معلوم ہوتے ہیں جن سے عورت اپنا یہ مقصد پورا کرتی ہے، لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کا سب سے

مقدم، سب سے معمولی، اور سب سے عام طریقہ "حسن و جمال" ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کا پہلا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ مرد کو اپنے حسن و جمال کا فریفتہ بنائے، لیکن اگر وہ حسین نہیں ہے تو اپنے اندر اور چیزیں مثلاً لچک، ذہانت، خوش خلقی، وغیرہ پیدا کرتی ہے، لیکن اُس کی محبوب چیزوں میں حُسن کو سب پر تقدم حاصل ہے یہاں تک کہ عقلمند سے عقلمند عورت کی عقل و قابلیت کی کتنی ہی تعریف کی جائے، لیکن اگر اُس کے حُسن کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ اس تعریف کو پسند نہیں کر سکتی، میڈم دی ستال مشہور مصنفہ اور انشا پرداز تھیں، لیکن اُن کو میڈم ایکامیہ کی حسن و جمال پر رشک تھا، ایک روز کا اتفاق ہے کہ لا ھارب نے جو خود انشا پرداز تھا ایک موسیقی کے جلسے میں دونوں کو مدعو کیا، اور خود اُن کے درمیان بیٹھ کر اپنے ایک دوست سے جو اُس کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہا کہ "میں ذہانت اور حُسن کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں" میڈم دی ستال نے یہ فقرہ سُن کر اپنی سخت توہین محسوس کی اور کہا کہ "کیا میں تمہاری نگاہ میں جانور رہوں"؟

مدح و ستائش کا شوق

اب اس جذبہ فطری کے بعض آثار و نتائج کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے: اس کا ایک اثر یہ ہے کہ عورت کتنی ہی عقلمند اور باوقار ہو۔ لیکن اپنی جسمانی خوبیوں کی تعریف سے یہاں تک کہ اُس تعریف سے بھی جو واقع کے مطابق نہیں ہوتی سخت متاثر ہوتی ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ عقلمند سے عقلمند عورت اپنے جسم پر کسی نکتہ چینی کو برداشت نہیں کر سکتی! بلکہ وہ جسم کی حقیر سے حقیر تعریف کو اپنے عقلی اوصاف کی بڑی سے بڑی تعریف پر ترجیح دیتی ہے" میڈم گیزو نے نہایت شدت کے ساتھ نوجوان عورت کی تعریف کی ممانعت کی ہے، کیونکہ بچپن کے دور سے نکلنے کے ساتھ

وہ اپنی تعریف کے لئے ہمہ تن گوش بن جاتی ہے، اور فطرۃً ادب و احترام پر مدح و ستائش کو ترجیح دیتی ہے، اس لئے تربیت کے ذریعہ سے اُس کے اس جذبہ کا دبانا فرض ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے "عورت پر خوشامد کا حملہ محبّت کے حملے سے سخت ہوتا ہے" آرائش کا شوق بھی اسی کا نتیجہ ہے، ایک ظریف انشا پرداز نے عورت کے اس فطری جذبہ کا نام "آرائش کا شیطان" رکھا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ عورتوں کا مخصوص شیطان ہے"

اس موقع پر یہ بیان کر دینا بھی موزوں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی زیب و زینت کا جو اثر مردوں پر پڑتا ہے، وہ اُس کے اندازہ کرتے ہیں عموماً غلطی کرتی ہیں، کیونکہ مرد ان چیزوں کی بہت کم پروا کرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی اس میں بے اعتدالی اور مبالغہ کرنے سے نفرت ظاہر کرتے ہیں، یہ تو تماشائیوں کا حال ہے، لیکن اگر مرد کو اس پر خود روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے تو وہ اُس کی شکایت کرتے ہیں، اور ہمارے کانوں میں اکثر اس شکایت کی آوازیں آتی ہیں، ایک شخص کہتا ہے، "جو شخص رنج و غم میں مبتلا رہنا چاہتا ہے، اُس کو دو چیزوں میں سے اپنے پاس ایک چیز کو رکھنا چاہیئے، جہاز یا عورت، کیونکہ دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا لادنا ان دونوں سے زیادہ مشکل ہو" لابرو ییر عورت بالخصوص سن سے اُتری ہوئی عورت کے زیب و زینت پر کس قدر لطیف انداز میں نکتہ چینی کرتا ہے "عورتوں کو بدصورت بننے کا آسان ذریعہ نہیں ملتا تو وہ اس کے لئے سخت کوشش کرتی ہیں"

یہ عیب صرف جسمانی آرائش تک محدود نہیں ہے، بلکہ بعض عورتیں اپنی گفتگو اور اپنے حرکات و اشارات میں بھی نئے نئے انداز پیدا کرتی ہیں اور اس قسم کا تصنع ایک تمسخر انگیز چیز بن جاتا ہے، بہرحال عورت کا مقصد کچھ بھی ہو، لیکن جب وہ قصداً اپنے آپ کو خوبصورت بنانا چاہتی ہے تو اس سے اُس کا اصلی حُسن

کم ہو جاتا ہے، ماریقو کس قدر خوب کہتا ہے، "بعض عورتیں سخت فریفتگی کی مستحق ہوتی ہیں، بشرطیکہ اُن کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ اس کی مستحق ہیں"۔

حسد

نمائش اور دوسروں پر اثر ڈالنے کا بدترین نتیجہ یہ ہے کہ اس سے عورتوں میں سخت رشک و حسد پیدا ہو جاتا ہے، اور ایک عورت اپنی حریف پر تفوق حاصل کرنا چاہتی ہے، وہ اکثر اس جذبہ کی وجہ سے غیر پسندیدہ روش اختیار کر لیتی ہیں؛ میڈم دی جیراردان کیا خوب کہتی ہیں کہ "عورت کو اُس تعریف سے تسکین نہیں ہو سکتی جس میں دوسری عورت اُس کی شریک ہو"، وہ یہ سمجھتی ہے کہ دوسرے کو جو کچھ ملتا ہے، وہ اُس کے حق سے ملتا ہے اور جس چیز سے دوسرے کو بلندی حاصل ہوتی ہے وہ اُس کی شان کو پست کر دیتی ہے، غالباً عورتوں کے سخت کینہ و عداوت، اور خبث و رذالت کی جو داستان مشہور ہے وہ اسی حسد کا نتیجہ ہے، اس لئے لڑکیوں میں خصوصیت کے ساتھ اس جذبہ کی نگرانی کرنی چاہئے، کیونکہ وہ لڑکوں سے زیادہ [illegible] کے اثر کو قبول کر سکتی ہیں، مجھے چند لڑکیوں کا حال معلوم ہے جن کے شباب کو اس اخلاقی کمزوری نے زہر آلود کر دیا،

مقابلہ اور مسابقت کی خواہش بہت جلد غیرت اور حسد کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اور غیرت کا یہ حال ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اُس کا محبوب اُس سے چھین لیا جائیگا تو اُس کی غیرت عزت بلکہ رحم کی بھی مستحق ہے، لیکن عورت اور مرد کی غیرت میں ایک بنیادی فرق ہے جس کو فیلسوف کنٹ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے "مرد کی غیرت محبت سے پیدا ہوتی ہے، لیکن عورت بغیر محبت کے بھی غیرت کرتی ہے،

عورت کے لئے حسد کا نتیجہ اس سے بھی بُرا ہوتا ہے، اس حالت میں وہ ہر چیز میں اپنی حریفوں کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، یہانتک کہ حریر کے خریدنے کے لئے اپنے باغ تک کو بیچ ڈالتی ہے، اور برتنوں کے جمع کرنے کے لئے گھاس کھاکھا کر زندگی بسر کرتی ہے، حسد کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت دوسروں پر خشونت آمیز اور ذلت انگیز لہجے میں تمسخر و استہزاء کرنے لگتی ہے، حالانکہ خشونت اور ذلت عورت کی فطرت میں داخل نہیں ہیں، چنانچہ لڑکی جب سن بلوغ کو پہنچتی ہے تو وہ عادۃً تمسخر و استہزاء سے ڈرتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسروں کے جذبات کو صدمہ پہنچانے سے احتراز کرتی ہے، اور مذاق بالخصوص شادی بیاہ کے معاملے میں تو معمولی مذاق کو بھی پسند نہیں کرتی،

بلند نظری

کیا عورت میں بلندی، رفعت اور عظمت حاصل کرنے کا شوق پایا جاتا ہے؟ کیا حرص اُس کی فطرت میں داخل ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب بہ مشکل دیا جا سکتا ہے، کیونکہ عورت کے سامنے ہمیشہ اس قسم کی جدوجہد کے دروازے بند رہے، اس لئے اب تک کسی عورت کو اس قسم کی خواہش کے اظہار کا موقع نہیں ملا، تاہم مدرسہ کے اندر لڑکوں اور لڑکیوں میں اس قسم کی بلند نظری یکساں طور پر پائی جاتی ہے، بلکہ ایک اتالیق عورت کا بیان ہے کہ یہ خواہش بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، اور وہ اس چشم دید واقعہ سے اس کی تائید کرتی ہے کہ اُس نے ایک لڑکی کو جو ہمیشہ اپنے درجے میں اوّل رہتی تھی ایک روز زار زار روتے ہوئے دیکھا، وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ تمام مضامین میں اوّل رہتی تھی، لیکن اب کی بار اُس میں اور اُس لڑکی میں

جو درجہ میں دوم آئی ہے، نمبروں کا فرق معمول سے کم ہے اور یہ اُس پر سخت گراں گذر رہا ہے،

لیکن مدارج عالیہ کا شوق عورتوں کا محبوب ترین شوق ہے، کیونکہ نمائش اور تفوق پسندی عورت کی فطرت میں داخل ہیں اور ان سے یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے، بلکہ عورت کے اس جذبہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام خاندان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، یعنی عورت ہمیشہ اپنے شوہر، اپنی اولاد اور اپنے گھر کو دائمی ترقی کی حالت میں دیکھنا چاہتی ہے، عورت کا سب سے بڑا مائہ فخر یہی ہے، اور وہ اس میں اس قدر غلو کرتی ہے کہ اپنے باپ دادا کے کارناموں پر بھی فخر کرنے لگتی ہے، بالخصوص جب میاں بی بی میں ناچاقی ہوجاتی ہے تو عورت کے فخر و غرور کا دار مدار تمامتر اپنے میکے ہی پر ہوتا ہے،

اگرچہ اس قسم کا تفاخر مردوں میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن وہ اُن میں عموماً عورتوں سے کم ہوتا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد بذات خود ایک مستقل شخصیت رکھتا ہے، اُس کو اپنی ذات پر بجائے خود اعتماد ہوتا ہے، اور وہ خود اپنے کارناموں سے نقطہ تبختر کر سکتا ہے، لیکن عورت اپنے فخر و غرور میں دوسروں کی محتاج ہوتی ہے، اور اُس کو اس معاملے میں اپنے آباؤ اجداد، اور اپنے خاندان اور شوہر پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کی بلند نظری کا تعلق زیادہ تر اُس کے شوہر کی ذات سے ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے مطمح نظر کو لوگوں کی نگاہ میں زیادہ معزز بنانا چاہتی ہے، خود اُس کے اہمیت کی پروا کم کرتی ہے، یعنی وہ اُس کی نمائش زیادہ کرنا چاہتی ہے، اُس کی طرف حقیقی توجہ بہت زیادہ نہیں کرتی، چنانچہ اسی بنا پر ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ اُس کے شوہر کو عہدے اور تمغے حاصل ہوں، اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتی ہے،

حکومت واقتدار کا شوق

کیا ہم حکومت واقتدار کے شوق کو عورت کے فطری خصائص میں محسوب کرسکتے ہیں؟ مرد بالخصوص شوہر کے دل پر تسلط واقتدار حاصل کرنے کا جو فطری جذبہ عورت کے دل میں ہے اُس کے لحاظ سے ہم اس سوال کا جواب اثبات میں دے سکتے ہیں، کیونکہ عورت کے فرائض نسوانی اُس کو اس اقتدار کے حاصل کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اور جب تک وہ مرد کی نگاہ میں محبوب نہ بن جائے کوئی چیز نہیں حاصل کرسکتی، البتہ حقیقی اقتدار یعنی کسی شخص کو غلام بنانا عورت کی فطرت میں داخل نہیں ہے، یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ "لڑکا حکومت کو پسند کرتا ہے، لیکن لڑکے کے دل میں صرف عزت اور مدح وستائش کی خواہش ہوتی ہے" لیکن جو عورت شوہر کی اسقدر مطیع و فرمانبردار ہوتی ہے، اکثر وہی اپنے ملازموں اور ماتحتوں پر مستبدانہ حکومت کرنا چاہتی ہے، تاہم اس میں عورت ہی کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ جو شخص کسی آقا کا غلام ہوتا ہے اُس میں یہ وصف پایا جاتا ہے، گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے ماتحتوں پر سختی کرکے اپنے حاکم سے انتقام لیتا ہے +

ساتویں فصل

عورت کا احساس

وہ جذبات جو غیروں کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں

جس شخص نے عورت کے اخلاق پر غائر نگاہ ڈالی ہے، اُس کو معلوم ہے کہ معاشرتی زندگی کے قیام و بقاء کے لئے عورت کا وجود مرد سے زیادہ ضروری ہے، نقطۂ یہ ہے کہ وہ انفرادی زندگی بسر نہیں کر سکتی بعض بعض مردوں نے خاص خاص استثنائی حالات میں کفارۂ گناہ اور نفس کشی کے لئے غیر فطری طریقے پر دنیا اور ما فیہا کو چھوڑ کر انفرادی زندگی اختیار کر لی ہے، لیکن ہم کو اس قسم کی عورتوں کی کوئی مثال معلوم نہیں ہے، بلکہ اکثر زبانوں میں لفظ راہب کے لئے سرے سے کوئی مؤنث لفظ ہی نہیں ہے، کیونکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے کسی زمانے میں کسی عورت نے راہبانہ زندگی اختیار ہی نہیں کی، عورتیں صرف معاشرت و مؤانست کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور وہ اس فطری جذبہ کے استیصال کی طاقت نہیں رکھتیں، اوپر گذر چکا ہے کہ عورت ہمیشہ مرد کی خوشنودی و رضامندی کی کوشش

کرتی ہے، اور اُس کی محبوب بننے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دیتی ہے، عورت کی یہ ایک فطری ضرورت ہے، لیکن اس فطری ضرورت میں اور بھی متعدد ضرورتیں شامل ہیں جو عورت کی زندگی پر بڑا اقتدار اور اثر رکھتی ہیں، وہ اگرچہ محبوب بننا پسند کرتی ہے، تاہم اُس کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی طرف سے محبت کا آغاز کرے، غالباً مرد کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ جو کچھ جد و جہد کرتی ہے، وہ صرف اسی فطری خواہش کا نتیجہ ہے، بہرحال یہ دونوں جذبے باہم لازم و ملزوم ہیں، اگرچہ یہ اصول دائمی طور پر صحیح نہیں ہے، چنانچہ بعض اشخاص محبت تو کرتے ہیں، لیکن خود محبوب نہیں ہوتے، بعض اشخاص محبوب تو ہوتے ہیں، لیکن خود محبت نہیں کرتے، تاہم عام حالت یہ ہے کہ محبت جانبین سے ہوتی ہے، گویا یُوں سمجھنا چاہئے کہ محبت ایک متعدی جذبہ ہے، جو ایک دل میں پیدا ہو کر دوسرے کے دل پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے،

بہرحال واقعہ جو کچھ ہو لیکن انسان کے لئے محبوب بن کر احساس محبت نہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ خود محبت کا احساس کرے چنانچہ اسی سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دوسرے کی محبت کا جذبہ خود اپنی ذات کی محبت سے بہت قوی ہے، اس کا کافی اندازہ تو اُسوقت ہو سکتا ہے جب ایک ہی دل کے اندر ان دونوں جذبات (محبت ذات اور محبت غیر) میں کشمکش پیدا ہوتی ہے، اور حقیقی محبت کے مقابل میں ذاتی محبت بالکل زائل ہو جاتی ہے، لارو شفو کو کہتا ہے کہ "محبت جو سب سے عجیب تر چیز پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ذاتی محبت کو فنا کر دیتی ہے، اور نمائش اور دوسروں پر اثر ڈالنے کا شوق بالکل زائل کر دیتی ہے" لیکن محبت کی یہ عجائب آفرینی اُسوقت اور بھی اعلیٰ ترین شکل میں نمایاں ہوتی ہے، جب عورت کسی کی خالص اور سخت محبت کرنے لگتی ہے، لیکن کیا یہ محبت ایک

نادر چیز نہیں ہے؟ کیا عورت کا یہ جذبہ مرد کے جذبہ محبت سے زیادہ سخت ہے؟ بے شبہ! عورت کی زندگی کی بنیاد محبت ہی پر قائم ہے، اگرچہ شدت اور خلوص میں کبھی کبھی مرد کی محبت بھی عورت کی محبت کے برابر ہو سکتی ہے لیکن مرد کی زندگی میں محبت کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو عورت کی زندگی میں ہوتا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے "محبت مرد کی زندگی کا صرف ایک جزو ہے، لیکن وہ عورت کی پوری زندگی ہے" عورت خواہ بی بی ہو، خواہ ماں ہو، خواہ بہن ہو، ہر حالت میں اسی جذبہ کے سہارے پر زندگی بسر کرتی ہے، بہت سے جسمانی اور روحانی مقاصد و مشاغل ہیں، جو مرد کی فکر، ہوشیاری بلکہ اُس کے قلب تک کو اپنا غلام بنائے رکھتے ہیں، لیکن عورت صرف محبت ہی کی توجہ و نگرانی میں اپنی زندگی بسر کر دیتی ہے،

محبّت مادرانہ

اگرچہ یہ جذبہ مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتا ہے، لیکن ان سب کا مرکزی نقطہ عورت کی وہ محبت ہے جو وہ اپنے محبوب اور اپنی اولاد سے رکھتی ہے، بالخصوص محبت اولاد کا جذبہ عموماً تمام عورتوں میں شدّت کے ساتھ پایا جاتا ہے، بعض عورتوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُن میں ماں بننے سے زیادہ بی بی بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، لیکن یہ مستثنیٰ مثالیں ہیں، کیونکہ ماں بننا عورت کی زندگی کا آخری مقصد ہے، لیکن مرد بالخصوص اُس زمانے میں جب اُس کی بی بی کا عنفوان شباب ہوتا ہے اور اولاد بہت صغیر السن ہوتی ہے بہ نسبت بہترین باپ ہونے کے قدرتی طور پر بہترین شوہر ہوتا ہے، ورنہ عام حالات میں اولاد کی طرف عورت کی توجہ مرد سے بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ فطرت ہی کا کام ہے کہ اُس نے عورت کے دل میں اس

عجیب وغریب احساس کو پیدا کر دیا ہے، اسی طرح بطور ایک مستحکم فرض کے عورت اور اُس کی اولاد کے درمیان ایسا تعلق قائم کر دیا ہے جس کو عورت کے سوا کوئی دوسرا نباہ نہیں سکتا، بہرحال وہ اولاد کو بالخصوص اُن کی زندگی کے ابتدائی ایام میں جبکہ وہ اُس کی آغوش محبت کی بہت زیادہ محتاج ہوتی ہے، اپنے تمام اعضاء وجوارح سے چاہتی ہے، بہت چاہتی ہے، اور بالکل مخلصانہ طور پر چاہتی ہے، یہی وہ پاک محبت ہے جس میں شخصیت، مصلحت اور کسی غرض کا شائبہ تک شامل نہیں ہے، اور اگر بچوں کی ماں کے دل نہ ہوتے تو ہم کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ محبت کس درجہ تک ترقی کر سکتی ہے؟ اور اُس کے لئے کس قسم کی قربانی درکار ہے؟ چونکہ یہ عورت کا نہایت ترقی یافتہ اور نمایاں جذبہ ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جب کبھی محبت کرتی ہے، اُس کی محبت میں، محبت مادرانہ کا کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور شامل ہو جاتا ہے، جن عناصر سے عورت کی یہ محبت مرکب ہوتی ہے، اُن میں سب سے اہم وہ نرمی اور وہ محبت آمیز میلان ہے جو وہ اپنے ضعیف اور محتاج لڑکے کے ساتھ ظاہر کرتی ہے، لیکن یہ نرمی اور یہ محبت آمیز میلان عورت کے دل سے پانی کی طرح بہتا ہے، اور ہر اُس چیز کو ڈھانک لیتا ہے جو بچے کی طرح ضعیف اور محتاج ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے احساس میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے اور جو شخص اُس سے رحم کی درخواست کرتا ہے، یا اپنے معاملات کو اُس کے سپرد کر دیتا ہے وہ اُس کے ساتھ شدّت سے اسی محبت آمیز میلان کا اظہار کرنے لگتی ہے، میڈم دی ریمیزا کہتی ہیں کہ "جو شخص عورت سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے اُس کو سب سے پہلے عورت کو یہ بتا دینا چاہئے کہ اُس کے کام سے دوسرے کو کیا فائدہ پہنچے گا" عورت کی اصلی فیاضی یہی ہے کہ جب وہ کسی کو بامراد کرنا چاہتی ہے تو پوری کوشش سے اُس کا مقصد پورا کرتی ہے، اور چاہتی ہے کہ اُس کو مطلوب اپنا بنوا

سے زیادہ فائدہ پہنچے، اگرچہ وہ نمائش اور مسابقت کے میدان میں ذاتی محبت کا اظہار کرتی ہے، تاہم جب اُس کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، تو اپنی ذات کو بالکل بھلا دیتی ہے، بلکہ عورت کی محبت اور نرم دلی میں خود عورت کے لئے بہت سے خطرات پوشیدہ ہیں جن کو متعدد علمائے اخلاق نے بیان کیا ہے، محبت شفقت اور رحمدلی اُس سے بعض اوقات ایسے کام کرواتی ہے جس کے نتائج پسندیدہ نہیں ہوتے، اور اس سے وہ بعض اوقات گرفتار بلا ہوجاتی ہے، بہرحال ایک ضعیف وجود اگر حاجت برآری اور فریادرسی کا مستحق ہے، تو وہ اُس کے دل پر قوی اور غیر محتاج وجود سے زیادہ اپنا اثر ڈال سکتا ہے، اُس کے تمام مال و دولت کو اپنے اوپر صرف کرواسکتا ہے، اور وہ اُس کی محبت و اعانت میں اپنی تمام اغراض کو قربان کرسکتی ہے، ایک شخص نے اندھوں کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے اور اُس کے مقدمہ میں عورت کی اس اخلاقی تفوق و امتیاز کی سب سے بڑی دلیل یہ بیان کی ہے کہ "ایک آنکھ والی لڑکی اکثر ایک اندھے شخص سے شادی کرلیتی ہے، لیکن کوئی آنکھ والا مرد اندھی عورت سے شادی نہیں کرتا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس قسم کی شادی کے لئے ایسی قربانی درکار ہے جو مرد کی استطاعت سے باہر ہے" اس کے لئے بہت سی مثالوں کی ضرورت نہیں، بلکہ عورت کے اخلاق میں یہ ایک نمایاں اور بدیہی وصف ہے البتہ اُن نتائج کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جو اس جذبہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکوں کی تربیت کی جو صلاحیت (بالخصوص تعلیم کے ابتدائی دور میں) اور آوارہ گرد لڑکوں کی تہذیب اخلاق کی جو اہلیت، بلکہ جرائم پیشہ لڑکوں تک کی اصلاح کی جو قابلیت عورت میں ہوتی ہے وہ مرد میں نہیں ہوتی۔ اُس نے اس معاملہ میں اپنی محبت، اپنے تدبر اور اپنے توجہ و اہتمام سے وہ درجہ حاصل کرلیا ہے جو مرد کو

حاصل نہیں ہے،

یہ جذبہ صرف بچوں، مریضوں اور محتاجوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی دوسرا جذبہ سد راہ نہ ہو تو وہ تمام مخلوقات کو شامل ہے، اور اس لحاظ سے عورت کی کشش، عورت کی سلیقہ مندی، عورت کی لطافت اور عورت کی حسن معاشرت کا فلسفہ یہی جذبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت اجتماعی زندگی کا شیرازہ، اور ہمارے مجلسوں کی رونق ہے، چنانچہ جب وہ شریک محفل ہوجاتی ہے، تو مردوں کو مجبوراً قساوت وخشونت کو چھوڑ کر اپنے بہترین اخلاق کا اظہار کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر تومیٹر کے قول کے مطابق عورت کا فرض "مردوں کے اخلاق کی تہذیب و اصلاح ہے"

میں عورتوں کی محبت کے اظہار کے لئے بہت سے جزئی واقعات کو بیان کرنا نہیں چاہتا، صرف ایک مثال کا بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں جو خود میری نگاہ سے گذر چکی ہے، میں ایک مقام پر موسم گرما بسر کرنے کے لئے گیا ہوا تھا، وہاں گھوڑوں اور گدھوں سے جو سخت کام لئے جاتے ہیں اُن کو دیکھ کر ایک لیڈی کا دل بھر آیا، اس لئے اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب کسی تھکے ہوئے جانور کو دیکھتی تھی، تو دوسرے دن کے لئے اُس کو کرایہ پر لے لیتی تھی، اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اُس کو ایک دن آرام کرنے کا موقع مل جائے،

مخاصمت

لیکن اس لطف ومحبت کے ساتھ ہم عورت کے لڑائی جھگڑے کی کیا توجیہ کرسکتے ہیں؟ عورت کو لڑائی جھگڑے کا جو شوق ہے، وہ اس حیثیت سے جس سنگ دلی اور خفیف الحرکاتی کا اظہار کرتی ہے، اُس پر تقریباً عام اتفاق ہوگیا ہے، بلکہ اخلاقی مصنفین نے بھی ان اوصاف کی شدت میں کسی قسم کی کمی نہیں کی

ہے، فیض کہتا ہے "عورت کی نرم خوئی انہی لوگوں تک محدود ہے جن کی وہ محتاج ہوتی ہے" لیکن میرے خیال میں یہ الزام صحیح نہیں ہے، صرف اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے دل پر پے در پے مختلف قسم کے جذبات طاری ہوتے رہتے ہیں، اور اس طرح "مختلف قسم کے متضاد جذبے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُس پر تسلط حاصل کر لیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ عورت فطرۃً بے اعتدالی کی طرف مائل ہوتی ہے، اس لئے اُس کے دل میں جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ دوسرے جذبات پر غالب آجاتا ہے، تنگ دلی، خفیف الحرکاتی اور جنگجوئی صرف ذاتی محبت اور شوق نمائش سے نہیں پیدا ہوتیں، بلکہ اگر دوسرے کی محبت میں بھی رکاوٹ پیدا کر دی جائے تو اس قسم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اور اس حالت میں جو عداوت پیدا ہوتی ہے وہ نہایت سخت ہوتی ہے،

لڑائی جھگڑے کا الزام صرف عورت ہی پر لگانا قرین انصاف نہیں ہے کیونکہ یہ حالت اُسوقت پیدا ہوتی ہے جب دو شخصوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اور ایسی حالت میں صرف ایک ہی شخص لعن و طعن کا بہت کم مستحق ہوتا ہے، بہت سے ظریف لوگوں نے اس الزام کو ایک مسخر انگیز چیز بنا لیا ہے، چنانچہ ایک موقع پر دو میاں بی بی کی قبر پر اس ظریفانہ فقرے کے کھودنے کی درخواست کی گئی تھی "اے شخص ٹھہر جا! اور ایک عجیب چیز دیکھ! ایک مرد اور ایک عورت جو کبھی نہیں لڑے" سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر گھر سے زیادہ گھر کے باہر خوش خلق اور باوقار ہوتے ہیں، چنانچہ ایک انشا پرداز ایک آدمی کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے، "نہایت خندہ جبین اور لطیف المزاج تھا یہاں تک کہ اپنے گھر میں بھی اپنی بشاشت کو قائم رکھتا تھا" لیکن عمدہ تربیت کے ذریعہ سے بہر حال اس کی اصلاح کرنی چاہئے،

لیکن اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں کہ عورت مرد سے زیادہ جنگجو ہوتی ہے، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ جس کشمکش میں زندگی بسر کرتی ہے وہ اُس کے دل میں سخت ہیجان پیدا کرتی ہے، اور اسی ہیجان کے ساتھ وہ اپنا انتقام لینا چاہتی ہے،

یہ ایک جملہ معترضہ تھا اب ہم عورت کی فطری محبّت کے خصوصیات کو بیان کرنا چاہتے ہیں،

تنگ خیالی

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عورت اصول اور رائے سے زیادہ اشخاص کی طرف مائل ہوتی ہے، یعنی ایک رائے یا متعدد رایوں سے زیادہ وہ ایک شخص یا متعدد اشخاص کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتی ہے، میڈم گیزو کہتی ہیں "ہم عورتوں کو عام واقعات کی پروا بہت کم ہوتی ہے" غالباً تربیت اور الفت عادت نے عورتوں میں یہ میلان پیدا کیا ہے، بہرحال عام حالت یہی ہے کہ عورت عام حالات مثلاً تعاون اجتماعی، مواخات نوع انسانی، اور بنی نوع انسان کی محبّت وغیرہ کی طرف بہت کم توجہ کرتی ہے، اور اپنے تمام محبّت آمیز جذبات کو چند معیّن اشخاص کی ذات تک محدود رکھتی ہے فرانس کا مشہور ناولسٹ الفونس دوده کہتا ہے "عورت جب محبّت کرتی ہے تو اُس کو اپنے محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ اپنی تمام لطف و محبّت، دوستی اور قربانی کو اُسی پر اور صرف اُسی پر صرف کر دیتی ہے" اگرچہ اس قول کو ہم اُسی وقت حرف بہ حرف صحیح سمجھ سکتے ہیں جب محبّت کو عشق و محبّت کے معنے میں محدود کر لیں، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عورت کی محبّت صرف بعض افراد تک محدود ہوتی ہے، جس طرح وہ فطرۃً چند اشخاص کی توجہ کی محتاج ہوتی ہیں، اسی طرح وہ اپنی توجہ بھی چند اشخاص تک محدود رکھتی ہیں،

ایک شخص اپنی مصیبت زدہ محبوبہ کے پاس تعزیت کو آیا، اور اُس کی تعزیت کا جو اثر اُس پر پڑا اُس کو ایک شخص ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "اُس کے دل کو جس چیز نے تسکین دی وہ تعزیتی الفاظ نہ تھے، بلکہ خود وہ شخص تھا جس نے یہ تعزیتی الفاظ کہے، اور اس سے اُس نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ درحقیقت عورت ہے" یہی وجہ ہے کہ عورت محدود احسان یا محدود کارخیر کے سوا کوئی عام احسان یا عام نیکی کا کام نہیں کر سکتی،

امیل کہتا ہے "جو عورت کسی کی محبت میں فنا ہو جاتی ہے، وہ فطری الہام کی تقلید کرتی ہے، اور حقیقی معنوں میں عورت کہی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ گم شدگی عورت کی فطرت میں داخل ہے، اس کے برعکس جو مرد ہمہ تن عورت کی پرستش کرنے لگتا ہے، اور اُس کی خدمت گذاری پر اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے وہ صرف آدھا مرد ہے، جس شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے، لوگ اُس کی وقعت نہیں کرتے بلکہ مخفی طور پر عورتیں بھی اُس کا احترام نہیں کرتیں، عورت جب کسی کو حقیقی طور پر چاہنے لگتی ہے تو دل سے یہ چاہتی ہے کہ اپنی شخصیت کو فنا کر دے تاکہ جس مرد کا اُس نے انتخاب کیا ہے، اُس کی شخصیت میں اپنی شخصیت کو مدغم کر کے اُس کی عظمت، اُس کی قوت اور اُس کے نشاط کو بڑھائے، دونوں فریق اسی طریقہ سے اپنے اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ عورت مرد کے لئے اور مرد سوسائٹی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے اگر مرد تمام دُنیا کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو عورت صرف ایک شخص کے لئے پیدا کی گئی ہے، ان میں ہر ایک کو صرف اُسی وقت راحت اور سعادت حاصل ہو سکتی ہے، جب اس قانون کو معلوم کر کے اُس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتی ہے" لیکن ان خوبصورت جملوں میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے، کیونکہ ہر ہے غیرت [illegible] مرد کی مخلوقہ بننا اور

اُس کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دینا عورت کے لئے لازمی نہیں ہے، عورت صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ تمام جسمانی، رُوحانی اور تمدّنی لذائذ میں مردوں کی شریک وسہیم ہو، بلکہ خود ایک عقلمند اور منصف آدمی بھی اس کی خواہش نہیں کر سکتا، اگر عورت کا یہ فرض ہے کہ اپنی محبت کو صرف اپنے شوہر کے لئے محدود کرے تو اس کے ساتھ یہ بھی قرین انصاف نہیں ہے کہ عورت کے تمام محبت آمیز جذبات صرف اُسی کے قبضہ میں آجائیں، بلکہ اُن کو عورت کے وطن اور عورت کی قوم کے لئے عام ہونا چاہیئے، اس معاملے میں عورت کے تعلیم و تربیت کی ایسی اصلاح ہونی چاہئے جس سے اُس کو محسوس ہو کہ وہ جس ماحول میں رہتی ہے اور جن لوگوں میں زندگی بسر کرتی ہے، اُن سے اُن کا کیا تعلق؟ اور اُس کا وطنی اور قومی فرض کیا ہے؟ آج عورت کے فرائض صرف خانہ داری تک محدود ہیں، اس لئے اُس کا دل اولاد اور خاندان کی محبت سے لبریز رہتا ہے، لیکن اس کے علاوہ اُس پر قفل لگا ہُوا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس میں کوئی دوسرا جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا، لیکن اس اصلاح کے ذریعہ سے اس حالت کو بدل دینا چاہئے،

اگر مرد عورت سے زیادہ حب الوطنی کا احساس کرتا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ اُس کو اپنے وطن سے عملی تعلق ہوتا ہے، لیکن عورت میں یہ احساس بہت کم پیدا ہوتا ہے، وہ اس قسم کے جذبات کا احساس صرف اُن مقامات کے متعلق کرتی ہے، جن سے وہ بچپن ہی سے مانوس ہو گئی ہے یا یہ کہ وہاں اُس نے ایک طویل مدت تک زندگی بسر کی ہے، بے شبہ عورت کی یہ اخلاقی کمزوری ہے، اسلئے اُس کی محبت کے دائرہ کو وسیع کر کے اس کی تلافی کرنی چاہئے،

عام انسانی محبت کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے، اگر ایک فقیر عورت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اگر ایک مصیبت زدہ شخص اُس کے سامنے تکلیف اُٹھاتا

ہے، تو وہ نہایت سرعت کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، لیکن عام انسانی مصائب پر وہ بہت کم غور کرتی ہے، بلکہ عام طور پر عورتیں صرف اُن مصیبتوں سے متاثر ہوتی ہیں جن کو وہ بچشم خود دیکھتی ہیں، لیکن جس وقت وہ عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں، ادنی طبقہ کے لوگوں کی مصیبت کا تخیل ہی نہیں کرسکتیں یہ بھی لڑکیوں کی تربیت کا ایک نقص ہے، اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اُس کی دیکھ بھال کرنا چاہیئے،

تلوّن مزاجی

اکثر مصنفین نے عورت پر تلوّن مزاجی کا الزام لگایا ہے، اور لکھا ہے کہ عورت فطرۃً مستقل مزاج نہیں ہے "بلکہ ہوا میں اُڑنے والا پر ہے"، اگرچہ یہ الزام بہت عام ہے، تاہم میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا، عورت کی خواہشیں صرف اُسی وقت تک بدلتی رہتی ہیں، جب تک وہ سخت محبت نہیں کرتی، اور یہ اُس کی بیکاری اور بے فکری کا نتیجہ ہے، لیکن اگر اُس کے ذہن میں وسعت پیدا کی جائے اور اُس مفید کاموں پر غور وفکر کرنے کا خوگر کیا جائے تو اس کی تلافی ہوسکتی ہے لیکن جب وہ صحیح طور پر محبت کرنے لگتی ہے، تو اپنی پاک، بے میل اور خالص محبت کے ثبات واستحکام میں مردوں سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے، مرد اوّل اوّل میں راہ میں تکان محسوس کرتا ہے، لیکن عورت اپنا قدم جس قدر آگے بڑھاتی ہے، اُس کی محبت روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور اس میں جس قدر قربانی کرتی ہے اُسی قدر اُس کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے،

البیبر کہتا ہے کہ "عورت جب مخلصانہ محبت کرتی ہے، تو ناکامی اُس کے لئے سدراہ نہیں ہوسکتی۔ عورت کا ناز وغرور اُس کی محبت پر بہت کم غالب آتا ہے۔

دوستانہ

عام طور پر مشہور ہے کہ عورت سچی دوستی کے لئے نہیں پیدا کی گئی ہے، لابرویئر کہتا ہے کہ "دوستی کے معاملات میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے" لارڈ شفو کو کہتا ہے "عورت جب محبت کا مزا چکھ لیتی ہے تو دوستی کو لذیذ چیز نہیں سمجھتی" اس قسم کے فقرے اور لوگوں نے بھی کہے ہیں، بلکہ بعضوں نے تو اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، لیکن مجھے ان اقوال کی صحت میں شبہ ہے، میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ مستحکم اور خالص دوستی تو مرد اور عورت دونوں میں یکساں طور پر مفقود ہے، اگرچہ مرد اور عورت کی دوستی کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، تاہم عورت کی فطرت اس جذبہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتی، البتہ عورت کی دوستی عقل، وقار، اور دلیرانہ نصیحت اور سرزنش سے جو سچی دوستی کے لئے لازمی ہیں بالکل خالی ہوتی ہے، لیکن وہ اس معاملے میں دوسری حیثیت سے بہت زیادہ بہادر اور باحمیت ہوتی ہے،

عورت پر یہ الزام صرف دو حیثیتوں سے لگایا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ عورتوں میں باہمی رشک و رقابت اُن کی باہمی دوستی میں سدراہ ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ مردوں کی دوستی میں اگرچہ یہ رکاوٹ نہیں ہے، تاہم عورت جب مرد سے دوستانہ قائم کرتی ہے تو وہ بہت جلد عشق و محبت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بے شبہ جہاں تک پہلے الزام کا تعلق ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں میں باہمی دوستی ایک نادر الوجود چیز ہے، اگرچہ کبھی کبھی لڑکیوں کی دوستی انتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے، لیکن جب نکاح کے بعد اُن کے دل دوسرے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں تو اس دوستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ عورتوں کی دوستی اکثر ظاہری اور سطحی ہوتی ہے،

اسی بنا پر فرانس کا ناولسٹ بول بورجہ کہتا ہے کہ "عورتوں اور مردوں کی دوستی میں یہ فرق ہے کہ مردوں کی دوستی باہمی اعتماد پر قائم ہوتی ہے، اور عورتوں کی دوستی میں اس قسم کا پختہ اعتماد نہیں پایا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ہمیشہ اپنے دوست کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتی، تاہم یہ دائمی ہوشیاری اُن کو دوست بننے سے باز نہیں رکھ سکتی، لیکن باوجود ان تمام رکاوٹوں کے عورتوں کی باہمی دوستی ناممکن چیز نہیں ہے، ویدرو کہتا ہے" عورتیں بہت کم باہم محبت کرتی ہیں، تاہم اُن میں ایک ایسا مخفی تعلق پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مشترک فوائد کی باہم حمایت کرتی ہیں، مثلاً ایک عورت اپنے دوسرے حریف سے بغض رکھتی ہے، لیکن اس کے ساتھ اُس کی حمایت بھی کرتی ہے" شونیھور نے اس جنسی تعلق کا نام "عورتوں کی فریمیشن" رکھا ہے، اور غالباً اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ عورتیں باہمی اعانت کے مفہوم کو سمجھتی ہیں، لیکن میرا اعتقاد یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان دوستی ممکن ہے، اگرچہ اس کی مثالیں کم ہیں تاہم اس پر صرف عورت ہی لعن طعن کی مستحق نہیں ہے، عورت بعض حالات میں متعدد اشخاص سے دوستی کر سکتی ہے، [illegible]س کی بہ کثرت مثالیں موجود ہیں، لابرو یبر کہتا ہے "جب ایک حسین عورت میں پاکیزہ خو مرد کے اوصاف جمع ہو جاتے ہیں، تو اُس کی معاشرت ایک لذیذ ترین چیز بن جاتی ہے، کیونکہ وہ دونوں جنسوں کے فضائل کا مجموعہ ہو جاتی ہے،، اگرچہ بعض لوگوں نے اس گوہر بے بہا کے وجود سے انکار کیا ہے، لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ موتی اُن کے ہاتھ نہیں آیا، اور اس قسم کے لوگوں کی حالت بے شبہ قابل رحم ہے +

آٹھویں فصل

عورت کا احساس

جذبات مرکبہ اور جذبات عالیہ

اب اُن جذبات کی باری آگئی جن کو ہم جذبات عالیہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ان جذبات کا تعلق اشخاص سے نہیں ہے، بلکہ وہ روحانی امور مثلاً شرف، اور حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس لحاظ سے ہم کو بتانا چاہئے کہ عورت کے دل میں نیکی کا احساس کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ وہ حق وصداقت کو کیونکر محسوس کرتی ہے؟ حسن وجمال کا اثر اُس کے دل پر کیا ہوتا ہے؟ اُس کے مذہبی احساس کی کیا کیفیت ہے؟ یہ تمام جذبات انسان کے اساسی اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے عورت کے دل میں ان کے وجود سے کوئی شخص انکار نہیں کرتا، البتہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ عورت کے دل میں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، بلکہ متذکرہ بالا فطری جذبات کے ہجوم میں گم ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک عورت سخت ہوا پرست ہے، اس لئے وہ منصف نہیں ہو سکتی، وہ نہایت

خفیف الحرکات ہے، اس لئے کسی عظیم الشان راز کے متعلق اُس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا" وقس علیٰ ہٰذا

لیکن اس بحث سے پہلے اُن جذبات مرکبہ کی تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے، جو اُن جذبات کے باہمی فعل و انفعال سے پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر گذشتہ دو فصلوں میں آچکا ہے، ان دو فصلوں میں گذر چکا ہے کہ بعض جذبات انسان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور بعض کو دوسروں کی ذات سے تعلق ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی یہ دونوں قسم کے مختلف جذبات باہم مل جاتے ہیں، اور باہمی تاثیر و تاثر سے مختلف صورتوں میں نمایاں ہو کر عورت کی زندگی کے ایک بڑے حصہ کو اس وسعت کے ساتھ گھیر لیتے ہیں، کہ اُس کو اس فصل کے موضوع بحث یعنی جذبات عالیہ سے فائدہ اُٹھانے کا کوئی موقع نہیں ملتا،

اس قسم کے مرکب اخلاق میں ہم پہلے وخلق پر غور کرتے ہیں جو ایک ہی ساتھ شخصیت اور غیریت دونوں عناصر سے مرکب ہیں، اس کے بعد جذبات عالیہ پر غور کرینگے،

غیرت

غیرت، محبت ذات اور محبت غیر دونوں سے مرکب ہے، اور تقریباً عورتوں کا ایک امتیازی وصف خیال کی جاتی ہے، ایک شخص کہتا ہے "عورت کو ہر چیز پر غیرت آتی ہے، مثلاً شوہر، منکوحہ اور غیر منکوحہ اولاد اور سہیلی سب پر اُس کے حساس دل میں جو چیز غیرت کی آگ بھڑکاتی ہے وہ اُس کی وہ خیالی قوت ہے، جو بعض اوقات ایک ایسی وہمی دُنیا پیدا کر دیتی ہے، جس کا وجود اُس کے تخیل کے سوا کہیں نہیں ہوتا" اس میں شبہ نہیں کہ غیرت دل کو زہر آلود خفیف الحرکات

اور سخت بنا دیتی ہے، عورت کتنی ہی پاکیزہ فطرت ہو لیکن جب اُس کے دل میں یہ روگ جڑ پکڑ لیتا ہے، تو اُس کو مغموم و اندوہگین بنا دیتا ہے، اور اُس کے دل میں بغض و عداوت کی ایک ایسی تلخی، اور انتقام کی ایک ایسی خواہش پیدا کر دیتا ہے، جو اُس کے قلب اور اُس کی زندگی پر چھا جاتی ہیں،

اگر عورت کو حقارت اور بے اعتنائی کے ساتھ دیکھا جائے تو اس وقت اُس کے دل میں ذاتی محبت کی وجہ سے غیرت پیدا ہو گی، لیکن اُس کی یہ شدت اور مزاحمت صرف ذاتی محبت کا نتیجہ نہیں ہے، اسی طرح جو غیرت محبت غیر سے پیدا ہوتی ہے، اُس میں بھی اس قدر تلخی نہیں ہوتی، لیکن جب وہ ان دونوں جذبات سے مرکب ہو جاتی ہے، تو نہایت سخت اور تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتی ہے،

کثیر الکلامی

انجیل مقدس نے غیور عورت کی زبان کو کوڑے سے تشبیہ دی ہے، لیکن غیرت کے علاوہ عورتوں کی کثیر الکلامی اپنے دیگر لوازمات مثلاً فضول گوئی، افشائے راز اور دخل در معقولات وغیرہ کے ساتھ اور بھی چند اسباب کا نتیجہ ہے، مثلاً اوپر عورت کے اخلاق کی جو تفصیل گذر چکی ہے، اُس میں ایک نمائش کا شوق ہے، اور یہ شوق لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے عورت کو گفتگو کرنے کی ترغیب دیتا ہے، معاشرت اور موانست کا فطری جذبہ بھی اُس کی زبان میں طلاقت پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ اُس نے ایک طویل زمانے تک ایک خاموش پُرسکون زندگی بسر کی ہے، جو مفید اور عظیم الشان کاموں سے بالکل خالی تھی، اُس کا جو کچھ کام تھا وہ صرف ہاتھ پاؤں تک محدود تھا، اُس کے خیال اور اُس کی زبان سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس کے اعمال نے اُس کے

خیال اور زبان کی مشغولیت کا کوئی سامان بہم نہیں پہنچایا، اس لئے وہ دونوں غیر محدود طور پر آزاد ہو گئے، اگر ہم نے عورتوں کو خود واقعات عالم سے بے خبر رکھا ہے تو قدرتی طور پر اُن کے دلوں میں ان واقعات کو معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوگا، اگر ہم عورتوں کو مہمات امور میں شریک نہیں کرتے تو وہ لازمی طور پر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرینگی، اگر ہم انصاف کے ساتھ تحقیقات کرینگے تو عورت کی تیز زبانی اور کثیر الکلامی کا منشاء انہی اسباب کو قرار دینا پڑے گا لیکن ایک بیکار مرد بھی اس معاملے میں عورت ہی کے مشابہ ہوتا ہے، وہ بھی اس حالت میں بہت بولتا ہے، اور واقعات عالم سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہے، اس عارضی سبب کے ساتھ ایک حد تک اُس کی فطری حالت بھی اس معاملہ میں عورت سے مشابہ ہے، کیونکہ وہ بھی عورتوں کی طرح نمائش اور معاشرت کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ سچ ہے کہ عورت گفتگو کو جس قدر اہم سمجھتی ہے، اُسقدر مرد اہم نہیں سمجھتا، تاہم وہ فخاری کے موقعوں پر عورتوں سے زیادہ اپنے واقعات زندگی کو بے نقاب کرتا ہے، البتہ وہ عورتوں سے زیادہ دوسروں کے حالات کو چھپا سکتا ہے، لیکن عورت اپنے راز کو تو محفوظ رکھ سکتی ہے، لیکن دوسروں کے راز کو فاش کر دیتی ہے، اس کے علاوہ مرد جب بہت زیادہ بولنا چاہتے ہیں تو ایک حد تک پہنچ کر رک جاتے ہیں، اور جب واقعات عالم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو زیادہ تر اُن کی توجہ اُن واقعات کی طرف ہوتی ہے جو پبلک حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کو بعض مشاغل زندگی سے تعلق ہوتا ہے، مخصوص حالات اور غیر ضروری واقعات سے اُن کو بہت کم سروکار ہوتا ہے۔

لیکن بایں ہمہ عورتوں کی کثیر الکلامی پر اتفاق عام ہو گیا ہے، اور یہ بھی ایک متفقہ مسئلہ ہے کہ عورتیں رازدار نہیں ہو سکتیں،

اسکندر دوماس کہتا ہے کہ خدا نے عورتوں کو داڑھی اس لئے نہیں دی

کہ وہ اُس کے مٹڈانے کے وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتی تھی؟" ارا سمُوس کہتا ہے کہ "زبان کی گھوڑ دوڑ میں سات آدمی ایک عورت کا مقابلہ کر سکتے ہیں" اب اس موضوع بحث میں ہم کو دو باتوں یعنی مقدار گفتگو اور نوعیت گفتگو میں امتیاز کرنا لازمی ہے، لیکن مقدار گفتگو کی حالت یہ ہے کہ اُس کی کثرت اکثر غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتی، فنلن کہتا ہے کہ "اکثر عورتیں تھوڑی سی بات کو بہت سے الفاظ میں بیان کرتی ہیں" تاہم عورتوں کی یہ فصاحت بیانی بعض اوقات شریفانہ جذبات مثلاً رحم اور شفقت کا بھی نتیجہ ہوتی ہے، اس حالت میں اُن کے دلوں میں سخت اشتعال آمیز جوش پیدا ہوتا ہے، اور یہی جوش اُن میں فصاحت و بلاغت کا جوہر پیدا کر دیتا ہے، بسا اوقات عورتوں کی کثیر الکلامی کا موضوع بحث وہ واقعات ہوتے ہیں جن میں نفع و نقصان کچھ نہیں ہوتا،

نوعیت کلام کو بھی مقدار کلام کے ساتھ سخت تعلق ہے، یعنی گفتگو کی مقدار جسقدر زیادہ ہوتی ہے، اُسی قدر اُس کی قیمت کم ہو جاتی ہے، کیونکہ جس شخص کو بہت بولنے کا شوق ہوتا ہے، وہ خواہ مخواہ گفتگو کے لئے نئے نئے موضوع پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کو خواہ مخواہ دل بھلاؤ کی حقیر اور مضحکہ انگیز باتوں کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے، بلکہ کبھی کبھی اُس کو چغلخوری، فضول گوئی، پردہ دری اور افشائے راز کے لئے بھی مجبور ہونا پڑتا ہے، بالخصوص جب یہ عادت مشق و تکرار سے بڑھ جاتی ہے تو اُس کی گفتگو ایک بد اخلاقی بن جاتی ہے، لیکن اگر عورتوں میں اس قسم کی کمزوری پائی جاتی ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، تاہم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں وہ خود اپنے ذاتی راز کی شدت کے ساتھ پردہ داری کرتی ہیں، لابروییر کہتا ہے کہ "عورتوں میں دوسرے کی رازداری سے زیادہ اپنی رازداری کی صلاحیت ہوتی ہے" لیکن اسی کے ساتھ اُس کے اقوال اور اُس کی حرکات و سکنات کے ذریعہ سے

نہایت آسانی کے ساتھ اُس کے اسرارِ قلب کا پتہ لگایا جا سکتا ہے،

بہر حال اگر عورتوں کی کثیر الکلامی سے خفیف الحرکاتی اور چغلخوری کو خارج بھی کر دیا جائے تب بھی وہ ایک اخلاقی کمزوری ہے، یہ ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسروں کی عزت کو صدمہ نہ پہنچے، لیکن خود عورت کی عزت کو تو ضرور صدمہ پہنچ جائیگا، کیونکہ جب کوئی بات منہ سے نکل جاتی ہے، تو ہم اُس کے قبضے میں آجاتے ہیں لیکن غیرت اور کثیر الکلامی کا جذبہ مردوں میں بھی مفقود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں جذبے عورت کے شریفانہ انسانی جذبات میں خلل انداز نہیں ہوتے، لیکن مصنفین کا ایک گروہ عورتوں کے جذبات عالیہ کا منکر ہے، اور اسوقت ہم اُن کے دلائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں،

شرف

شرم و حیاء عورتوں کا اصلی مایہ شرف ہیں، اور عورتوں کی شرم و حیاء سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے، البتہ بعض لوگ اس کو پست جذبات کا نتیجہ خیال کرتے ہیں، مثلاً لاروشفوکو کے نزدیک عورت یا تو رائے عام کے خوف سے حیاء کرتی ہے، کیونکہ "عورت اکثر اپنی شہرت اور آسائش کے لئے حیا کرتی ہے" یا یہ کہ وہ ناز و انداز کی ایک قسم ہے کیونکہ عورت کے حیاء اُس کے حسن کی افزائش کے لئے آب و رنگ کا کام دیتی ہے" یا یہ کہ وہ اُس کی فطری سرد مزاجی کا نتیجہ ہوتی ہے، کیونکہ عورت کی ضد اور ہٹ صرف بغض و عداوت کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے" لیکن شوپنہور جو عورت کا سخت ترین دشمن ہے، لکھتا ہے کہ عورتوں میں اس قسم کا ایک عام اور متعدی اتفاق ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی قدر و قیمت بڑھاتی ہیں، اور مردوں کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب وہ بلا شرط اپنے آپ کو کسی کے

حوالے کر دیتی ہیں تو سخت بیحیا بن جاتی ہیں،

ان اقوال میں تھوڑی سی ناقابل انکار صداقت بے شبہ پائی جاتی ہے، بالخصوص جہاں تک رائے عام کے خوف کا نتیجہ ہے یہ اقوال بالکل صحیح ہیں، کیونکہ عورتوں میں وہ استقلال اور وہ عملی قوت نہیں پائی جاتی جو مردوں میں پائی جاتی ہے، اس لئے اُن پر مردوں سے زیادہ رائے عام کا اثر پڑتا ہے، اور اس لحاظ سے عورت کی زندگی میں اس مؤثر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، فنلن کہتا ہے کہ "عورتوں کی اخلاقی خوبیوں کا سب سے بڑا محافظ خوف ہے" اس بنا پر عورت کے اس احساس خوف کو ایک بڑی چیز سمجھنا چاہئے، اور اس کے ذریعہ سے عورتوں کو اُن خطرات سے بچانا چاہئے جو اُن کو گھیرے ہوئے ہیں، کبھی کبھی قدیم عادات کا طوق غلامی اپنے گلے سے اُتار سکتا ہے، اور رائے عام کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتا ہے، لیکن موجودہ حالات میں عورتوں کے لئے یہ روش پسندیدہ نہیں خیال کی جاسکتی، اور جو کچھ کہا جاتا ہے، اور جو کچھ کیا جاتا ہے، عورت اُس کو نظر انداز نہیں کر سکتی، لیکن باایں ہمہ صرف اسی مؤثر کو عورت کا دستور العمل اور اُس کا تنہا محافظ نہیں بنایا جا سکتا، مرد اور عورت دونوں کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنی عزت پر خود اعتماد کریں، اور ہر ممکن طریقہ سے اُس کو قائم رکھیں،

فرض

اس معاملے میں عام رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کا یہ جذبہ نہایت سرد ہے، اور اُس میں وہ کشش اور حرارت نہیں پائی جاتی جو عورت کے دل کو اُلٹ پلٹ دے، لیکن یہ فیصلہ اُسی وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ احساس فرض صرف ایک مفہوم ذہنی کا نام ہے، اور اُس میں کوئی خارجی حسن و جمال

نہیں پایا جاتا" لیکن خدا نے قلب اور دماغ میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، اس لئے احساس فرض ان دونوں سے ایک ساتھ تعلق رکھتا ہے، کیونکہ احساس فرض کے لئے ایک طرف تو فرض کو جاننا اور دوسری طرف اُس سے محبت کرنا چاہئے، لیکن باینہمہ ہم کو اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ احساس فرض کا جو حصہ قلب سے تعلق رکھتا ہے وہ عورت میں مرد سے زیادہ پایا جاتا ہے، اور عورت صرف اُسی وقت اس فرض کا احساس کرسکتی ہے جب وہ اُس کے دل میں کھٹکتا ہے، اور اُسی وقت فرض کو ادا کرسکتی ہے، جب وہ اُس کے دل کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے بلکہ اگر اُس کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے تو وہ فرض کو نظر انداز بھی کردیتی ہے، لیکن جب کوئی فرض عورت کے جذبات کے بالکل موافق ہوجاتا ہے، تو وہ نہایت سرعت کے ساتھ اُس کی آواز پر لبیک کہتی ہے، اور اسوقت اُس میں اور مرد میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوجاتا ہے، دوسرے الفاظ میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا جا سکتا ہے، کہ جب تک کوئی فرض عدل و انصاف کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اُسوقت تک اُس کے ادا کرنے کی قابلیت مرد میں عورت سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن جن موقعوں پر اپنی ذات کو فدا اور قربان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں عورت کو مرد پر تفوق حاصل ہوجاتا ہے، اور اس موقع پر وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنا فرض ادا کردیتی ہے، بلکہ اُس سے لذت حاصل کرتی ہے،

لیکن میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ احسان کرنا صرف عورت ہی کی خلاقی خصوصیت ہے، اور عدل و انصاف کا جذبہ صرف مردوں ہی میں پایا جاتا ہے، بلکہ مرد اور عورت دونوں کو ان اخلاقی خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہئے، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کوئی فرض ذات کی قربانی کا خواستگار ہوتا ہے، تو اُسوقت عورت میں روحانی اور اخلاقی ترقی کے انتہائی مدارج تک پہنچنے کی صلاحیت

پیدا ہو جاتی ہے،

اب ہم مرد اور عورت کے موازنہ کے لئے عورت کی اُن امتیازی خصوصیات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو فرض سے تعلق رکھتی ہیں یعنی یہ کہ عورت کی زندگی کا دستور العمل کیا ہے؟ اور اُس کی سیرت کن کن اجزاء سے مرکب ہے؟

عورت کا طرز عمل

لابرو ییر کہتا ہے کہ "عورت کا کوئی عملی اصول نہیں ہوتا، وہ صرف اپنے دل کا کہنا کرتی ہے، اور اُن لوگوں کے اشارات کو رہنما بناتی ہے جن سے اُس کو محبت ہوتی ہے"، اگرچہ بظاہر یہ فیصلہ نہایت سخت ہے، لیکن اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عورت عملی حیثیت سے مرد کی طرح دُور اندیش نہیں ہوتی اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ عورت ہمیشہ عادۃً محکوم رہتی چلی آئی ہے، اور وہ خود اپنے اوپر حکومت کرنے کی خوگر نہیں ہے، اس کے ساتھ عورت میں جو کچھ خوبیاں ہیں اُن کا ماخذ صرف اُس کی فطرت ہے اُس کی عقل و حکمت نہیں ہے، یہاں تک کہ ایک شخص کہتا ہے کہ "عورت اصولی فرائض پر صرف اُسوقت غور کرتی ہے جب وہ اُن کے اقتدار سے آزاد ہونا چاہتی ہے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں مرد اور عورت میں جو فرق ہے، وہ کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، جس کا تعلق ان دونوں کے فطری اخلاق سے ہو، بلکہ اُس کو صرف تعلیم و تربیت نے پیدا کیا ہے "اس کے ساتھ ایک طویل زمانے نے ان دونوں کی منزلوں میں نہایت دوری پیدا کر دی ہے، اور ہر ایک کا طرز عمل دوسرے سے بالکل مختلف ہو گیا ہے" عورت کا طرز عمل اکثر فطری ہوتا ہے، اور کسی عقلی یا منطقی قاعدے پر اُس کی بنیاد نہیں ہوتی تو ماس کہتا ہے کہ عورت

قانون کی طرح کبھی غیر متعین فیصلہ نہیں کرتی، اُس کا فیصلہ اُسوقت صادر ہوتا ہے جب کوئی شخص متعین ہو جاتا ہے،، الغرض عورت کے جذبات اُس کو صحیح فیصلہ کرنے نہیں دیتے، اور جس شخص نے اُس کے وجود گذشتہ کی حالت کا مطالعہ کیا ہے، اُس کو مردوں کے سامنے سر جھکاتے ہوئے دیکھا ہے، اور اُس نے مرد کی آنکھ میں سمانے کی جو کوشش کی ہے، اُس کے لحاظ سے اُس سے بھی توقع ہی کی جا سکتی ہے، عورت کی اس طرز بود و ماند نے اُس کی شخصیت کو بالکل خلع کر دیا، اور مردوں کی طرح حقیقی آزادی اور منفعت عامہ وغیرہ کے مفہوم کے سمجھنے سے وہ عاجز درماندہ رہ گئی ہے، اس لئے عورت کا طرز عمل تمام تر اُس کے عینی یا قلبی مشاہدے پر موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دلکش روش کو مسلک حق پر ترجیح دیتی ہے کیونکہ جیسا کہ شیلر کا قول ہے "عورت کے نزدیک دلفریبی حق و صواب پر مقدم ہے" بلکہ خود مادرانہ جذبات بھی اکثر اُس کو عدل و انصاف کے راستے سے منحرف کر دیتے ہیں، چنانچہ ایک ماں اپنی کسی اولاد کو اُس کے تمام بھائیوں پر ترجیح دینے لگتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی سب سے کمزور اولاد کو پہچان لیتی ہے، اور فطرت اُس کے دل میں اس محتاج ترین اولاد کی محبت کا الہامی جذبہ پیدا کر دیتی ہے، جانوروں کا بھی یہی حال ہوتا ہے، کیونکہ اُن کے درمیان ماں اور بچوں کے مستحکم تعلقات صرف زمانۂ شیر خوارگی ہی میں قائم رہتے ہیں،،

یہ تو شخصی حالت ہے، لیکن جہاں تک اجتماعی زندگی کا تعلق ہے، عورت قدیم رسم و رواج اور قدیم معمولات و عادات کی سخت پابند ہوتی ہے، اور بہت کم ان کو چھوڑ سکتی ہے، بلکہ اُس کو اس کی تمیز بہت کم ہوتی ہے، کہ کیا کیا جا رہا ہے اور کیا کرنا چاہئے، اگرچہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فرض کی ماہیت سمجھنے میں اصلاح کی محتاج ہے، تاہم اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس میں فرض کے ادا کرنے کی

فطری استعداد موجود ہے، یا کم از کم وہ اُس فرض کو ادا کرسکتی ہے جس کو وہ بذات خود فرض خیال کرتی ہے،

عورتوں میں استقامت بہت کم پائی جاتی ہے، یعنی اُن کا قول و فعل ایک نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی فرض کو ادا کرنا پسند نہیں کرتیں تو سخت حیلہ جوئی اور منافقت سے کام لیتی ہیں، دیدرو کہتا ہے "عورتوں کا عمل گویا ماکیاولی کے اس مذہب پر ہے کہ مقصد اپنے ذریعہ کو جائز بنا لیتا ہے"، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد کے عزم و اقدام کے سامنے رکاوٹ کی جو دیوار حائل ہو جاتی ہے، اُس کے آگے عورت کی حیثیت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں ہوتی، فلن نے بھی جہاں عورتوں کے تصنع، بناوٹ، اور مکر و فریب وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں اسی قسم کے فقرے استعمال کئے ہیں، لیکن یہ عورت کی گذشتہ تاریخی حالت اور طبعی ضعف کا نتیجہ ہے، روشو کہتا ہے کہ "مکر عورتوں کا قدرتی عطیہ ہے، اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے ضعف کی تلافی کر لیتی ہے" لیکن یہ بھی اُسی روک ٹوک کا نتیجہ ہے جس کے ساتھ عورت نے صدیوں زندگی بسر کی ہے، لیکن آج تعلیم یافتہ، روشن خیال اور صاحب الرائے عورتوں میں بھی خدع و فریب کا میلان پایا جاتا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ "چغلخوری یا دوسروں کے نقصان پہنچانے کے لئے جو خطوط بلا دستخط کے روانہ کئے جاتے ہیں اُن میں دس خط میں آٹھ یا نو خط عورتوں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں" لیکن ہم اس قول کی صحت کو تسلیم نہیں کرسکتے، کیونکہ اس قسم کے اعداد و شمار کا فراہم کرنا آسان کام نہیں ہے، بایں ہمہ اس معاملے میں تربیت کا جو فرض ہے وہ بالکل واضح اور غیر مبہم ہے،

جذبۂ صداقت

حق و صداقت کا اعلیٰ جذبہ بھی احساس فرض سے مشابہ ہے، اور عورتوں میں

اکثر یہ جذبہ نہایت ضعیف ہوتا ہے، اس لئے دو وجوہ کی بنا پر تربیت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دینی چاہئے، ایک تو یہ کہ اس جذبے میں بذات خود دلکشی پائی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ وہ عورت کے شرف کا محافظ ہے، اور اس کو ادائے فرائض میں مدد دے سکتا ہے،

جھوٹ انسان کے لئے تمام اخلاقی برائیوں کا راستہ ہموار کر دیتا ہے، اور عورت پر اس کا جو الزام لگایا جاتا ہے ہم کلیۃً اس کا انکار نہیں کر سکتے لا برو ییر کہتا ہے کہ "عورت وہ بات نہایت آسانی کے ساتھ کہہ سکتی ہے جو اس کو محسوس نہیں ہوتی" جرمن فلسفی کانٹ کہتا ہے کہ جذبہ صداقت کے رسوخ و ثبات کے لئے باپوں کو اولاد کی سخت نگرانی کرنا چاہئے، کیونکہ مائیں اس کی بہت کم پروا کرتی ہیں، قرون وسطیٰ میں عورتوں کی دروغ بیانی اس قدر مشہور بات تھی کہ اُن کو عدالتوں میں شہادت دینے سے روک دیا گیا تھا، آج بھی عورتوں کو بعض قانونی فرائض کے انجام دینے کی ممانعت ہے، اور غالباً یہ عہد وسطیٰ کی اسی احتیاط کا بقیہ اثر ہے اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موروثی، وطنی اور ملکی خصوصیات کے اثر کو نظر انداز کر کے ہم بطور خود اس الزام کی حقیقت پر غور کریں، اس سلسلے میں اصلی سوال یہ ہے کہ کیا درحقیقت اس معاملہ میں عورت کا درجہ مرد سے کم ہے؟ اتنا لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ عورتیں بعض مسائل بالخصوص اُن مسائل کے سمجھنے سے بالکل عاجز ہیں جن سے اُن کے مصالح کو صدمہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ مسئلہ جواز طلاق کے متعلق مجھ کو خود اس قسم کا تجربہ حاصل ہوا، کیونکہ میں نے جن عورتوں سے اس موضوع پر گفتگو کی انہوں نے اس کو اپنی سعادتمندی کے لئے ایک دھمکی سمجھ کر عموماً اس سے سخت بیزاری ظاہر کی، اور ایک نے بھی اعتدال سلامت روی اور غور و فکر کے ساتھ اس پر بحث نہیں کی، میں نے اُن کو ہزار سمجھایا کہ طلاق اگرچہ اخلاقی حیثیت سے ایک نہایت بیہودہ چیز ہے، تاہم بعض مستثنیٰ حالات

میں سوسائٹی کے لئے وہ ایک ضروری چیز ہو جاتی ہے، لیکن اس سے اُن کو تسکین نہیں ہوئی اور میری یہ کوشش رائگان گئی، ان میں ایک لیڈی جواز طلاق کی سخت مخالف تھی، سوءِ اتفاق سے بعض حالات ایسے پیش آئے کہ خود اس کی لڑکی کو طلاق کی درخواست کرنی پڑی، اب اُس نے اس مسئلہ کو سمجھا، لیکن اگر وہ خود اس کشمکش میں نہ پڑتی تو یہ مسئلہ اُس کی سمجھ میں نہ آتا،

لیکن اگر ہم مردوں کے دلوں کو بھی ٹٹولیں تو کیا وہ بہ نسبت عورتوں کے حق و صداقت سے قریب تر ہیں؟ یا کم از کم دونوں میں کوئی قابل الذکر فرق پایا جاتا ہے؟ مجھے اس میں شبہ ہے، بلکہ اکثر مردکا جھوٹ عورت کے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، بایں ہمہ عورتوں کو اس بداخلاقی سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن احتیاط برتنی چاہیئے بالخصوص وہ بہت کچھ تربیت اور ماحول کے اثر کا نتیجہ ہے، اور اس کی اصلاح آسانی سے ممکن ہے، اور بہت سی عورتیں اس میدان میں گوئے سبقت لیجا چکی ہیں،

احساس حُسن و جمال

حُسن و جمال کا احساس عورت کا ایک فطری احساس ہے، اور وہ غالباً تمام عورتوں میں پایا جاتا ہے، اور اُن کی زندگی میں نہایت اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ عورت ایک خوبصورت چیز کو ایک مفید چیز پر ترجیح دیتی ہے، یا کم از کم اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے دن کا ایک بڑا حصہ اس فکر میں صرف کرتی ہے کہ کسی چیز کو کیا چیز خوبصورت بنا سکتی ہے؟ اسی بنا پر کنٹ کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے "جنس جمیل" کا خطاب نہایت موزوں ہے،

لیکن عورتوں کے اس احساس میں جدت آفرینی بہت کم پائی جاتی ہے بلکہ وہ زیادہ تر اس معاملے میں قدیم عادات اور قدیم رسم و رواج کی پابند ہوتی ہیں، شاعر افور

کہتا ہے کہ عورت کسی مرد سے اُسوقت محبت کرتی ہے، جب اُس کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ لوگ اُس کی فلاں خوبی کے معترف ہیں، بذات خود اُس کو مرد کی ذات میں کچھ نظر نہیں آتا" اگرچہ اس قول میں تھوڑی سی ظرافت شامل ہے، لیکن واقعہ یہی ہے کہ عورت "حسن" اور "حسین" کے تخیل میں عام رائے کے دائرے سے بہت کم باہر جاتی ہے، اگر ایک اعلیٰ ترین حسن عام طور پر پسند نہیں کیا جاتا، تو عورت اُس پر نزاکت اور طراری کو ترجیح دیتی ہے، اس طرح اُس کے نزدیک لٹریری کتابوں میں لائٹ لٹریچر کو ٹھوس علمی مباحث پر تفوق حاصل ہے، وہ فنون لطیفہ میں نہایت آسانی کے ساتھ مہارت حاصل کرسکتی ہے، لیکن ایجاد و اختراع کے درجے تک ترقی نہیں کرسکتی، وہ عام متداول روش کو بہت کم چھوڑ سکتی ہے بلکہ زیب و زینت، اور آرائش ولباس کے تنوع میں بھی وہ اختراع و ایجاد کے لحاظ سے مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی،

ایک چیز بذات خود حسین ہوتی ہے، اور ایک چیز کو لوگ حسین سمجھتے ہیں، ان دونوں میں بڑا فرق ہے لیکن عورت اس فرق کو بہت کم محسوس کرتی ہے، مثلاً اگر ایک شخص کے طرز روش میں شگفتگی نہیں پائی جاتی، اگر اُس کا انداز گفتگو دلاویز نہیں، اور اگر اُس کی حرکات میں لطافت و نزاکت نہیں ہے، تو عورت اُس کے حسن ادب اور خلق مہذب کو نظر انداز کردیتی ہے، دو میاں بی بی خوش اخلاقی میں منتخب روزگار تھے، لیکن میں خود ایک لیڈی کو جانتا ہوں جس نے ان پر صرف اس لئے سخت نکتہ چینی کی کہ وہ اپنے برآمدے میں باہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے داخل ہوئے، جس کو اس بڈھی نے ایک ناقابل عفو جرم خیال کیا۔

فنون لطیفہ میں عورتوں کی جو مخصوص پیداوار ہے موجودہ دنیا ان پر [illegible]

انگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن مردوں کے مقابل میں یہ یادگاریں بہت کم ہیں، غالباً اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عورتوں نے ابھی بہت تھوڑے زمانے سے اس میدان میں قدم رکھا ہے، ورنہ اس کے پہلے فنون لطیفہ کی تعلیم و تربیت کے دروازے اُن کے سامنے ہمیشہ بند رہے، اور فریقین کے زمانہ تعلیم و تربیت میں کبھی مساوات نہیں پیدا ہونے پائی؛ تاہم اس حیثیت سے دونوں میں جو فرق پیدا ہو گیا ہے اُس کا پتہ لگانا سخت مشکل ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عورتوں نے فنون لطیفہ میں مردوں کی تقلید کی ہے، اگرچہ بعض عورتوں نے فن تصویر میں کافی مہارت پیدا کر لی ہے، لیکن اُن کی قوت ایجاد زیادہ تر معمولی تصاویر مثلاً مناظر قدرت، اور پھولوں وغیرہ کی تصویروں تک محدود ہے، اسکے ساتھ اُن کی ایجاد کا تعلق زیادہ تر جزئیات کے ساتھ ہوتا ہے، اور کسی عام منظر کے دکھلانے، یا کسی اعلیٰ تصویر کے کھینچنے میں اُن کی قوت اختراع بہت کم نمایاں ہوتی ہے، بہرحال بعض مستثنیٰ مثالوں کو چھوڑ کر عموماً فنون لطیفہ کی تمام شاخوں میں وہ لطافت آفرینی کے ذریعہ سے تو اپنی فنی قابلیت کا اظہار کر سکتی ہیں، لیکن اُن کو ان فنون پر پورا قابو نہیں حاصل ہوتا، لٹریری یادگاروں کی کیفیت بھی یہی ہے، مثلاً جس طرح دُنیا کے مشہور ترین مجسمے عورتوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، اسی طرح ایلیڈ اور ہملٹ وغیرہ بھی عورتوں کے کارنامے نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں کی فنی قابلیت ایک محدود چیز ہے، تاہم اس سے اُس کی تہذیب و ترقی میں کوئی رُکاوٹ نہیں پیدا ہوتی، بلکہ اگر اُس کو جلا دی جائے تو وہ غالباً مردوں کے درجہ تک ترقی کر سکتی ہیں۔

مذہبی احساس

مذہبی احساس کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ عورتوں میں یہ جذبہ نہایت نمایاں

طور پر پایا جاتا ہے، لیکن اُن کا یہ جذبہ روحانیات سے زیادہ محسوسات اور مادیات سے تعلق رکھتا ہے، بلکہ عورت کبھی کبھی اُن تصویروں اور مجسموں پر اعتماد کرنے لگتی ہے جن کو مذہبی روح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، عورت کا خلوص اور اُس کی نیک نیتی اُس میں یہ بے اعتدالی پیدا کردیتی ہیں، اور ہم کو بھی اُس چیز کا احترام کرنا چاہئے، جس سے انسانی دل کو تسکین ہوسکتی ہے، بہرحال مذہب ایک مسند میں عورت کی آخری جائے پناہ ہے جس کی طرف وہ مصیبت کی حالت میں اپنے تمام ضعف، خوف اور اضطراب کے ساتھ اپنا رُخ کرتی ہے،

عورت اکثر مذہبی مسائل پر بلا شک تردد ایمان لاتی ہے، اور اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتی ہے، لیکن مرد کے ایمان میں غور وفکر اور فلسفیانہ دلائل کے اجزاء شامل ہوجاتے ہیں، اور یہ تمام چیزیں اُس میں ضعف پیدا کردیتی ہیں، رینان کہتا ہے کہ مذہبی مسائل کے متعلق عورت ہر بحث وتنقید کی مخالفت کرتی ہے، اور اس پر ہم کو خوش ہونا چاہئے"

عورت کی زندگی میں مذہبی احساس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، بلکہ وہ ایک عظیم الشان طاقت ہے جس کو تمام ناجائز اجزاء سے پاک کرکے عورت اور جماعت انسانی کی نفع رسانی میں کام لینا چاہئے، عورت فطرۃً مذہبی ہوتی ہے، ایمان کی نوعیت کچھ بھی ہو، لیکن وہ لازمی طور پر اُس کی پابندی کرتی ہے، یہانتک کہ جب وہ کسی شخص سے محبت کرتی ہے، تو اُسکو اپنا دین وایمان بنالیتی ہے، اسلئے اُسکی محبت میں ایک تقدس کی شان پیدا ہوجاتی ہے، عورت کے دل سے اس جذبہ کی بیخ وبنیاد کا اُکھاڑنا ناممکن ہے، اور اسی بنا پر ہماری رائے یہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے مذہبی تربیت خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے، دُنیا میں ایک ایماندار دل سے زیادہ کوئی چیز سعادتمند نہیں ہے، جو یقین کے ساتھ اس دُنیا کے علاوہ دوسری دُنیا میں اپنے مقصد کی جستجو کرتا ہے۔

نویں فصل

عورت کی ذہانت

عورت فطرۃً نہایت ذہین ہوتی ہے، چنانچہ ہم اوپر ایک فرانسیسی مصنفہ کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ "فرانس میں غبی عورت کا قحط ہے" لیکن فرانس ہی کی خصوصیت نہیں عموماً ہر جگہ کی عورتیں ذہین ہوتی ہیں، مرد نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے جو تفوق حاصل کر لیا ہے، اگر ہم اُس کو نظر انداز کر دیں، تو جہاں تک عورت کی طرز معاشرت اور اُس کی مخصوص ضروریات زندگی کا تعلق ہے، وہ عقلی اقتدار میں مرد سے کم رُتبہ نہیں ہے، بلکہ جو معمولات دونوں سے یکساں تعلق رکھتے ہیں اُن کے انجام دینے میں وہ مرد پر تفوق رکھتی ہے، عام لوگ بالخصوص زراعت پیشہ لوگوں میں اکثر عورت ہی گھر کے کاروبار کی مالک ہوتی ہے، اگرچہ وہ مالک کی صورت میں نمایاں ہو کر مرد کے جذبات کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی، تاہم وہ اکثر مرد سے زیادہ ہوشیار، مرد سے زیادہ خوش سلیقہ، اور مرد سے زیادہ منتظم ہوتی ہے، وہ جس طرح اپنے اولاد کے مستقبل پر مرد سے زیادہ نظر رکھتی ہے، اسی طرح اُس کو گھر کے مستقبل کی بھی بڑی فکر ہوتی ہے، جب گھر پر کوئی ناگہانی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اُس کے دُور کرنے کا طریقہ جانتی ہے، اور اُس کو اور اُس کے اہل و عیال کو جو مشکلات پیش آجاتی ہیں،

اُن کے نجات کی صورت وہ مرد سے بہتر نکال سکتی ہے،

ایک دیہاتی طبیب سے پوچھو کہ جب وہ مریض کی حالت دریافت کرتا ہے، تو مرد اور عورت میں اُس کا صحیح جواب کون دیتا ہے؟ اکثر مرد طبیب کے مطلوبہ سوالات کے جواب سے عاجز و درماندہ ہو جاتا ہے، اس حالت میں وہ مجبوراً عورت کی طرف رجوع کرتا ہے، اور وہ اُس کے سوال کا مطلوبہ جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ جب خود اُس کا شوہر مریض ہوتا ہے، تب بھی اُس کو عورت کے اعانت کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سچ ہے کہ اس موقع پر کبھی کبھی اُس کی تقریر رواں ہو کر غیر مطلوبہ باتوں پر بھی مشتمل ہو جاتی ہے، لیکن اگر طبیب ہوشیار رہے تو وہ انہی غیر مفید باتوں میں سے مفید باتوں کو اخذ کر سکتا ہے،

اگرچہ متوسط درجہ کے طبقات بالخصوص متوسط درجہ کے شہروں میں اکثر مرد کو عورت پر عقلی تفوق حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ تفوق صرف اُس کے پیشے اور اُس کے مشاغل زندگی تک محدود ہے، ایک شخص نے ایک عالم پر یہ ریمارک کیا کہ "جب وہ اپنے کتب خانے سے باہر نکلتا ہے تو ٹھوکر کھا سکتا ہے" لیکن اکثر مردوں پر بھی یہی ریمارک کیا جا سکتا ہے لیکن اونچے درجے کے لوگوں میں اکثر عورت اس قسم کی قابلیت اور ذہانت کا اظہار کرتی ہے کہ مرد کو اُس کے سامنے سپر ڈال دینا پڑتی ہے، بالخصوص اس طبقے کے لوگ اکثر کھیل کود اور مادی لذتوں میں مصروف رہتے ہیں،

لیکن اوپر ہم نے عورت کی جس ذہانت کا تذکرہ کیا ہے، اُس سے ذہانت کا وسیع اور عام مفہوم یعنی انسان کی زندگی میں روزانہ جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں اُنکے سمجھنے کی قابلیت مراد ہے، لیکن ذہانت کے ایک محدود معنی یہی ہیں جس میں چند اور باتیں ہیں، مثلاً غور و فکر میں وسعت، دقت نظری، ترتیب و نظام، مسائل جاریہ

نقد و بحث، اور انسانی اعلیٰ معلومات کا احاطہ بھی شامل ہیں اور اس حیثیت سے سوال یہ ہے کہ کیا عورت میں بھی یہ تمام قابلتیں پائی جاتی ہیں؟ اسوقت ہم اسی سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں، لیکن اس سے پہلے عورت کی عام ذہانت کی توضیح اور اس ذھانت کے امتیازی خصوصیات کی تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے،

ذہانت کی امتیازی خصوصیت

عورت کی ذہانت کا ایک عام وصف انتقال ذہنی ہے، یعنی یہ کہ وہ ذرا سے غور و فکر میں نہایت سرعت کے ساتھ نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ ایک لیڈی اپنی ہم جنسوں کی ذہانت کا یہ وصف بیان کرتی ہے کہ "ہم آہستہ آہستہ بہت کم سیکھتے ہیں، بلکہ اُس کو اکٹھا ہی سمیٹ لیتے ہیں" یہ قول ایک ساتھ دو خصوصیات پر مشتمل ہے ایک تو یہ کہ عورت کی ذہانت غیب دانی اور پیشینگوئی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے، دوسرے یہ کہ عورت کا سرمایہ معلومات تعلیم و تعلّم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تعلیم ہی کی کمی نے اُس کی ذہانت کی آگ کو اسقدر بھڑکا دیا ہے، عورت کی قدرتی لچک اور فطری نزاکت نے بھی اُس میں یہ ذہنی اقتدار پیدا کیا ہے، کیونکہ اُس کو اپنے حالات کے لحاظ سے خواہ مخواہ صرف ایک نگاہ ایک گردش چشم، اور ایک اشارۂ ابرو سے جذبات اور احساسات کا سُراغ لگانا پڑتا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ وہ عورت میں جو فوری ذہانت اور فطری قابلیت پائی جاتی ہے، وہ دو دو مل کر سرعت اور یقین کے ساتھ نتائج کو روشن کر دیتی ہیں، وہ مجبوراً ہمیشہ مرد، اور اپنی ہم چشم عورتوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے، اس لئے قدرتی طور پر اُس میں اس قسم کی ذہانت پیدا ہو جاتی ہے"، روشو کہتا ہے کہ "مرد قلب انسانی کے فلسفیانہ مطالعہ میں عورت پر تفوق رکھتا ہے، لیکن عورت میں مردوں کے رازہائے پنہانی کے

معلوم کرنے کی قابلیت مردوں سے زیادہ پائی جاتی ہے، اس لئے عورت متجسسانہ نگاہ ڈالتی ہے اور مرد فلسفیانہ" دوسرے الفاظ میں گویا عورت کے اندر ایک "فطری روشنی" پائی جاتی ہے، جو اُس کے سامنے کی تمام مشکلات اور تمام واقعات کو روشن کر دیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ مرد جب کسی مسئلہ کی تحقیق و تفحص میں ہمہ تن مستغرق ہو جاتا ہے، عورت چشم زدن میں اصل نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن عورت کے اس عجیب غریب ذہنی اقتدار کا ماخذ اُس کا دل ہے، دماغ نہیں ہے، پول بورجہ کہتا ہے کہ "جذبات کے ذریعہ سے عورت کے دماغ میں ہر بات ٹھوسی جا سکتی ہے" یہ قول ایک قابل لحاظ حقیقت پر مشتمل ہے، یعنی یہ کہ عورت کی ذہانت و قابلیت میں اُس کا دل معتد بہ اضافہ کر سکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ قلب کے فیصلے عقل کے فیصلے سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح قلب کا قیاس عام عقلی قیاس سے مختلف ہوتا ہے۔ لا مارٹین کہتا ہے کہ "خدا نے عورت کا سرمایہ کمال اُس کے دل میں رکھدیا ہے" اس لئے دل ہی اُس کی ذہانت، اصابت رائے اور قوت استدلال کا ماخذ ہے، فولیٹر نے کیسی قدر خوب کہا ہے کہ "مردوں کا تمام فلسفہ عورت کے ایک جذبہ کی برابری بھی نہیں کر سکتا" غرض عورت کے قول و فعل دونوں کے اندر جذبات کی حرارت موجود ہوتی ہے،

عورت کا ذہنی نقص

لیکن جذبات کی یہی حرارت جس نے عورت میں یہ قابلیت پیدا کی ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے وہ مرد کو خاموش اور اپنی طرف مائل کر سکتی ہے، اُس کی عقل اور ذہانت پر بھی کبھی پردہ بھی ڈال دیتی ہے، کیونکہ جذبہ سے مغلوب ہو کر عقل بغیر غور و فکر کے فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور اس طرح وہ ذہن کی لطافت اور

عادلانہ روش میں خلل انداز ہو جاتا ہے، میڈم نکردی سوسور کہتی ہیں کہ "عقل صرف سکون کی حالت میں عادلانہ فیصلہ کر سکتی ہے، لیکن حالت اضطراب میں اُس کے فیصلے ہمیشہ ایک خواب پریشان ہوتے ہیں" لیکن جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے عورتیں عموماً بالخصوص زمانۂ شباب میں بہت کم مطمئن اور ساکن القلب ہوتی ہیں، اس لئے وہ اپنی محبوب اور غیر محبوب چیزوں کے متعلق جو فیصلہ کرتی ہیں ہم کو اُس میں شک پیدا ہو جاتا ہے، جذبات پر قابو حاصل کرنے کے لئے باوقار عقل اور مضبوط کیرکٹر کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جو لوگ جذبہ آفرین دل رکھتے ہیں وہ بمشکل عدل و صواب کے راستے پر چل سکتے ہیں مشہور مصنفہ جارج ایسٹ کہتی ہے کہ "پُر از جذبات لوگوں کے خیالات صرف اُن کے جذبات کا پرتو ہوتے ہیں، اور اس قسم کے لوگوں کی عام حالت یہی ہے"

جذبات کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی عورت کی اصابت رائے اور دُور اندیشی میں خلل انداز ہوتے ہیں جن میں ایک سبب یہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی جزئی باتوں کا بہت زیادہ لحاظ کرتی ہے، اس لئے وہ کسی چیز کا عام اور مجموعی تصور بمشکل کر سکتی ہے، چنانچہ عورت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ "وہ جب وہ کسی شہر سے گذرتی ہے تو ایک ایک گھر کو تو گن لیتی ہے، لیکن شہر کا عام منظر اُس کی نگاہ سے مخفی رہ جاتا ہے، اسی طرح درختوں کے جھنڈ کو دیکھ کر وہ جنگل کو بالکل فراموش کر دیتی ہے" اگر وہ ایک منٹ میں ایسی چیزوں کو جان لیتی ہے، جن کو مرد ایک طویل زمانے میں جان سکتا ہے تو یہ اُس کی فطری الہام کا نتیجہ ہوتا ہے، غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا، اس لئے اُس کی ذہانت میں لمبائی اور گہرائی کم پائی جاتی ہے، دوسرے الفاظ میں وہ سمجھ تو بہت جلد جاتی ہے، لیکن بہت اچھی طرح نہیں سمجھتی، اور اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورت کی ذہانت اکثر سطحی ہوتی ہے، شوپنہور کہتا ہے

"عورت ذہنی حیثیت سے کوتہ نظر ہوتی ہے، وہ قریب کی چیزوں میں تو بہت جلد امتیاز کر لیتی ہے لیکن اُس کے نگاہ کی مسافت محدود ہوتی ہے، اور ایک معین حد سے آگے کی چیزیں اُس کے احاطے میں نہیں آتیں"

اس میں شبہ نہیں کہ یہ بُرے بھلے اوصاف ذہانت نسوانی پر صادق آتے ہیں اور تمام محققین اس سے اتفاق کرتے ہیں، یہ معلوم ہے کہ عیب و ہنر ہمیشہ آپس میں دست و گریبان رہتے ہیں یعنی جو چیز ایک حیثیت سے ہنر خیال کی جاتی ہے، وہی دوسری حیثیت سے عیب بن جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ مسئلہ بھی دو حیثیت رکھتا ہے لیکن ان محققین میں جو اصولی اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے ہنر کی حیثیت کو نمایاں کیا ہے، اور بعض لوگوں نے عیب کی حیثیت کو وضاحت کے ساتھ دکھلایا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً عورت کے اخلاق میں یہ دونوں حیثیتیں نظر آتی ہیں، میڈم دی ریموزا کہتی ہیں کہ "ہم عورتیں جب مسائل عامہ پر بحث کرتی ہیں تو ہم میں اتصال فکری اور جامعیت کی کمی نظر آتی ہے، اگرچہ ہم اپنی فطری ذکاوت کی بنا پر بہت جلد اُن چیزوں کو معلوم کر لیتے ہیں جن کو مرد معلوم کر سکتے ہیں، بلکہ اس حیثیت سے ہم اُن پر تفوق حاصل کر لیتے ہیں، لیکن ہم شدت کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے انصاف، اصابت رائے، اور مضبوطی فیصلہ سے دور ہوتے ہیں، اور ہمارے لئے کسی موضوع پر دیر تک غور و فکر کرنا سخت مشکل ہوتا ہے"۔ میڈم لامبیر بھی یہی فرماتی ہیں، چنانچہ اُن کا قول ہے کہ عورت میں غور و فکر و تفحص و تحقیق کا مادہ کم ہے، کیونکہ جذبات کی شدت اس کو بھگا دیتی ہے، خیالات آتے ہیں، اور عورت کے دل میں منتشر و مرتب شکل میں [illegible] لیتے ہیں، لیکن وہ فکر کے ذریعہ سے نہیں بلکہ فطری الہام کے ذریعہ سے [illegible] کا قول ہے کہ ہم میں اُس عقلی قوت کی کمی ہے جو حقیقت سے آگے [illegible] مغز تک پہنچ جاتی ہے"

عورت خفیف الحرکاتی، تلون مزاجی اور سبک مغزی میں مشہور ہے، اور ان اقوال سے اس کی وجہ معلوم ہو سکتی ہے، یہاں تک کہ عقلمند سے عقلمند عورت بھی ان نقائص سے محفوظ نہیں ہے، جرمن شاعر گوئٹے فرانس کی مشہور ادیبہ میڈم دی استال کا یہ واقعہ بیان کرتا ہے، (جب اُس نے فرانس سے جلاوطن ہو کر جرمنی میں قیام کیا تھا تو اُس کے پاس اکثر آیا کرتی تھی) کہ وہ ایک روز میری ملاقات کو آئی، اور پہنچنے کے ساتھ ہی یہ بیان کیا کہ نپولین نے جنرل مورو اور اُس کے بعض ساتھیوں کو خیانت کے جرم میں گرفتار کیا ہے، میں دوسرے لوگوں کی طرح مورو جیسے بلند اخلاق کو نہایت اہمیت دیتا تھا، اس لئے ان واقعات پر غور و فکر کرنے لگا، تاکہ اُن سے کوئی نتیجہ نکال سکوں، لیکن اُس نے فوراً اس موضوع کو چھوڑ کر معمولی اور حقیر چیزوں کے متعلق گفتگو کرنا شروع کر دی، لیکن میں اسی غور و فکر میں مستغرق تھا، اور اُس کی بات کا کوئی جواب میرے خیال میں نہیں آتا تھا، اس پر وہ سخت برہم ہوئی اور اپنی قدیم شکایت کو دُھرایا کہ "میں عادۃً سخت خشک مزاج ہوں اور مجھ سے مسرت اور کشادہ دلی کے ساتھ گفتگو نہیں کی جا سکتی"

میں بھی ان فقروں کو برداشت نہ کر سکا اور اُس سے کہا کہ "درحقیقت تم صحیح طور پر کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کر سکتیں تم نے خود مجھے سخت صدمہ پہنچایا، اور اس کے ساتھ یہ چاہتی ہو کہ میں تمہاری بدلنے والی خواہشوں کا ساتھ دوں اور تمہارے ساتھ ایک موضوع کو چھوڑ کر دوسرا موضوع بدلتا رہوں؟" یہ واقعہ ہماری اس بحث کا نچوڑ ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ میڈم دی استال کا درجہ عورتوں میں اُس درجے سے کم نہ تھا جو گوئٹے کو مردوں میں حاصل تھا، بلکہ وہ ذہنی اور عقلی حیثیت سے ایک عدیم النظیر عورت تھی۔

لیکن باینہمہ میں عورتوں کے متعلق ابھی جو کچھ لکھ چکا ہوں اُس سے انحراف

نہیں کر سکتا، عورت اور مرد کی ذہانت کے مظاہر جیسا کہ ہم کو ابھی معلوم ہوا ہے اگرچہ مختلف ہیں تاہم وہ ذہانت میں مردوں سے کم نہیں ہے، اب ہم اُن عناصر کو تحلیل کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ ذہانت مرکب ہے، اور اسی کے ساتھ عورت اور مرد کے قوائے فطریہ کا مقابلہ بھی کرتے جائینگے،

قوّت ادراک

محدود فلسفیانہ معنی میں قوت ادراک اُس قوت عقلی کا نام ہے جس کے ذریعہ سے بدیہی اصول موضوعہ مثلاً یہ اصول کہ ہر نو پیدا چیز کے لئے ایک سبب کی ضرورت ہے، یا یہ اصول کہ دو متناقض اوصاف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، ہم پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور اس مفہوم کے لحاظ سے وہ مرد اور عورت دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے، بلکہ وہ عقل انسانی کا ایک خاصہ لازمی ہے، اور اس حیثیت سے اُس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے،

پھر عورت میں کس چیز کی کمی ہے؟

عورت میں لطافت حواس کی کمی نہیں ہے، کیونکہ اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا، جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عورت کی قوت شامہ اور قوت ذائقہ میں لطافت نہیں پائی جاتی، اب تک وہ اس کو ثابت نہیں کر سکے ہیں، تاہم اگر ہم اس کو تسلیم بھی کریں تب بھی اسقدر ماننا پڑے گا کہ عورت قوت لامسہ، قوت سامعہ اور قوت باصرہ کی لطافت میں مرد سے کم رتبہ نہیں ہے اور یہ تینوں حاسے قوت شامہ اور قوت ذائقہ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے ذریعہ سے بہ نسبت قوت شامہ اور قوت ذائقہ کے بہت زیادہ عقلی معلومات حاصل ہوتے ہیں، بہر حال واقعہ جو کچھ بھی ہو لیکن حواس کی لطافت اور کثافت کو

قوت عقلیہ کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، ارسطو، نیوٹن اور ڈیکارٹ کے حواس کو کوئی ممتاز خصوصیت حاصل نہ تھی،

قوت حافظہ

تمام ارباب نظر کا اتفاق ہے کہ عورت میں یہ قوت نہایت نمایاں طور پر موجود ہے، بلکہ غالباً بعض لوگوں نے عورت کی اس قوت کے اعتراف کو اُس کے دوسرے قوائے فطریہ کے انکار کا ذریعہ بنایا ہے، ذیل کے چند واقعات وشواہد عورت کی قوت حافظہ کے تفوق کو ثابت کر سکتے ہیں، عام امتحانات سے ثابت ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں قوت حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے، اُن میں میدان لڑکیوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے یہانتک کہ جن مضامین میں قوت حافظہ کی بہت ضرورت نہیں ہوتی اُن کو بھی لڑکیاں ازبر یاد کر لیتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو خود اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا، بلکہ جن فقروں کو پڑھتی ہیں اُنہی پر بھروسا کرتی ہیں، ایک بار فرانس میں ٹریننگ اسکول کی طالبات سے امتحان میں یہ سوال کیا گیا کہ کیا تم کو کسی خاص مضمون تعلیم سے دلچسپی ہے؟ تو پانچ لڑکیوں میں چار لڑکیوں نے تاریخ کا انتخاب کیا، درحقیقت جہانتک واقعات کی تفصیل کا تعلق ہے، وہ فن تاریخ کی بڑی ماہر ہوتی ہیں، البتہ اسباب ونتائج کی تحقیق اور واقعات وحوادث کا موازنہ ومقابلہ اُن کے لئے دشوار ہوتا ہے،

جوان لڑکیوں کے متعلق تمام اساتذہ ومعلّمین تسلیم کرتے ہیں کہ اُن میں اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ قابل تعریف طریقہ پر پایا جاتا ہے، اور اسی قوت حافظہ کے ذریعہ سے اس کی وجہ معلوم کی جا سکتی ہے، لیکن میں ایک پروفیسر کو جانتا ہوں جو ہمیشہ اس کا شاکی رہا، کیونکہ اُس نے اپنی طالبات کو متواتر کوششوں کے ساتھ

اس پر آمادہ کرنا چاہا کہ اُس نے جس طریقہ سے سبق پڑھایا ہے، یا جس طریقہ پر وہ کتاب میں لکھا ہوا ہے، اُس طریقہ کے خلاف اُس کو سبق سنائیں، لیکن اُس کو اس کوشش میں ناکامیابی ہوئی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ طریقہ اُن کی قوت حافظہ میں بالکل راسخ ہو گیا تھا اور وہ اُس میں کوئی تغیر نہیں کر سکتی تھیں، ایک ہر دلعزیز اُستاد اپنے طالبات کو ہر چیز آسانی سے سمجھا سکتا ہے، لیکن اگر اور قوائے عقلیہ کو نظر انداز کر کے صرف قوت حافظہ پر اعتماد کر لیا جائے تو اس سے سخت نقصان پہنچیگا۔

گذشتہ بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ یہ نقص صرف عورتوں ہی میں پایا جاتا ہے، گیٹے نے کیا خوب کہا ہے کہ "دُنیا میں آوازیں تو بہت کم ہیں، لیکن آواز بازگشت بہت سُنائی دیتی ہے" خود اپنے متعلق میڈم دی سیفتہ کا قول ہے کہ "میں جیسا کہ تم دیکھتے ہو صرف اُنس و محبت کے لئے پیدا کی گئی ہوں، اس لئے میرا کام صرف یہ ہے کہ جس اخیر رائے کو سُنوں اُس کو دُھرا دوں" اور بہت سے مردوں کو بھی اپنے متعلق اسی قسم کے فقرے استعمال کرنے چاہئیں، عورتوں میں شخصی رائے کی جو کمی ہے اُس کا سبب بھی یہی ہے، اُن کی صرف وہی رائے ہوتی ہے جو اُن کے وطن، گھر اور ماحول کی ہوتی ہے، اور اسی بنا پر وہ ہر معاملے میں قدیم رسم و رواج کا بہت زیادہ خیال کرتی ہیں،

قوت اجتہاد

یہی قوت حافظہ جس کا تمام ارباب نظر نے اعتراف کیا ہے، ایک دوسری حیثیت سے عورت کے لئے مضر ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی عقلی نشو و نما میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہے، چنانچہ تمام ارباب نظر نے اس اعتراف کے ساتھ عورت کی اجتہادی اور اختراعی قوت کا انکار کیا ہے، اس اعتراض کا خلاصہ پروفیسر کرل فوجٹ نے ایک

مضمون میں اس طرح بیان کیا ہے کہ "وہ اپنی طالبات پر کاہلی کا الزام نہیں لگاتا۔ بلکہ وہ اس کے برعکس ہمیشہ لکچروں میں حاضر رہتے اور نوٹ لکھنے کے علاوہ جدوجہد کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں، اُس کو جو کچھ اعتراض ہے وہ اُن کی اندھا دُھند تقلید و اطاعت پر ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "میرے تجربہ سے یہ ثابت ہُوا ہے کہ لڑکیاں ہمیشہ امتحانات میں لڑکوں سے ممتاز رہتی ہیں، اگر امتحانات میں درجہ اور کتاب سے باہر کے سوالات نہ آتے تو ہمیشہ اُن کا نتیجہ نمایاں رہتا، لیکن جب کوئی مغالطے کا سوال آجاتا ہے اور اسوقت ذاتی غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے تو اُن کی زبان میں لکنت پیدا ہوجاتی ہے" ڈاکٹر فوجٹ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت یاد کرنے کی باتوں کو تو خوب یاد کرلیتی ہے، لیکن ایجاد و اختراع نہیں کرسکتی، لیکن ڈاکٹر فوجٹ کے ایک ہمعصر نے اس کے بعد ایک دوسرا مضمون شائع کیا، جس میں اس رائے کی مخالفت کی، وہ کہتا ہے کہ "لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں یکساں طور پر ذاتی رائے کی کمی پائی جاتی ہے"، چونکہ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اس لئے ہم کو نہایت دقت نظری کے ساتھ اُس پر بحث کرنی چاہئے، اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو قوائے فطریہ اس موضوع سے خاص تعلق رکھتے ہیں، پہلے ہم اُن پر غور کریں، اس لئے سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عورت میں خیالی قوت کس قدر پائی جاتی ہے؟ اُس کے دل میں حصول معلومات کا شوق ہے یا نہیں؟ اُس میں علمی تحقیق کی کس قدر قابلیت موجود ہے؟

قوت خیال

عورتوں میں عموماً شدید خیالی قوت پائی جاتی ہے جو اُن کے درد دُکھ، خوف خطر اور امید و تمنا کو اُن کے سامنے نہایت مبالغہ آمیز صورت میں پیش کرتی ہے، اور وہ بمشکل کسی چیز کو اُس کی معمولی صورت میں دیکھ سکتی ہیں،

تمام ارباب نظر نے اس قوت کو عورت کی ایک نمایاں خصوصیت قرار دیا ہے اور اسی قوت کی بنا پر وہ ایک دائمی اضطراب اور دائمی تلوّن میں مبتلا رہتی ہے میڈم دی لامبیر کہتی ہیں کہ عورتیں چونکہ مفید مشاغل سے روک دی گئی ہیں، اس کے عوض تمام قوتوں کے بدلے اُن میں خیالی قوت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے، اور اسی وجہ سے عورت کو جس قدر رنج و مسرت حاصل ہوتا ہے وہ اُس کو اپنی اصلی مقدار سے دس گُنا زیادہ نظر آتا ہے، مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ اگر اس قوت میں تغیر و اصلاح کی جائے تو اُس سے لذت کا احساس کم ہو جائے گا کیونکہ یہ قوت ہر چیز کو نہایت خوبصورت غلاف میں نمایاں کرتی ہے، (اگرچہ وہ غلاف وہمی ہوتا ہے) لیکن اس سے ہمارے درد و دکھ میں بھی کس قدر اضافہ ہو جاتا ہے؟ وہ حقیقت کے چہرے پر ہمیشہ پردہ ڈال دیتی ہے، اور جہاں خیال کی حکومت ہوتی ہے وہاں عقل کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا، غرض ایک مشتعل اور حساس خیال سے زیادہ سعادت انسانی کی راہ میں کوئی دیوار حائل نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عورت پر خیال کو بہت زیادہ اقتدار حاصل ہے اور یہ اقتدار صرف اُس کے فیصلوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اُس کے ارادے کو بھی شامل ہے، بالخصوص جسمانی ضعف اور عصبی کمزوری کی حالت میں اُس کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے، اس لئے عورت کے اس فطری میلان کی اصلاح نہایت ضروری ہے، اور اس کے سوا اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں کہ عورت کو صحیح المذاق بنایا جائے اور طریقہ تربیت میں توازن پیدا کیا جائے، اگر یہ طریقہ اصلاح نہ اختیار کیا جائیگا تو یہ خیالی قوت عورت کے گوناگوں توہمات اور باطل پرستیوں کا مرکز بن جائیگی، جس میں عورتیں اکثر مبتلا رہتی ہیں،

لیکن اس کے علاوہ خیال کی ایک اعلیٰ ترین قسم اور بھی ہے جو ایجاد و اختراع کرتا ہے اور اُس کے اوپر فضل و کمال کی بنیاد قائم ہوتی ہے، پہلے قسم کی خیالی قوت

ہر چیز کو صرف غیر معمولی اور عظیم الشان صورت میں نمایاں کر سکتی ہے، لیکن یہ اعلیٰ قسم کا خیال صرف اسی پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ حوادث واشیاء میں توافق واتحاد پیدا کرتا ہے، ایک چیز کو دوسری چیز سے مدغم کرتا ہے، اور اس طرح اُن سے نئی نئی صورتیں ایجاد کرتا ہے، جدت آفرینی کارانا ور اختراعی قابلیت کا فلسفہ یہی ہے، اور عورت متفقہ طور پر اس خیالی میدان میں مرد سے بہت پیچھے ہے، چنانچہ دُنیا کی اختراعات پر عورتوں کے نام کی بہت کم مہر لگی ہوئی ہے، اگرچہ وہ موسیقی کی طرف بہت مائل ہیں تاہم اُن میں کسی بڑی مصنفہ عورت کا نام نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کسی عورت نے شاعری میں کبھی ناموری نہیں حاصل کی،

لیکن میرا خیال ہے کہ اس کمی کا بڑا حصہ اُن کی قدیم تاریخ اور گذشتہ تربیت کا نتیجہ ہے۔ اخیر چند سالوں میں یعنی جب سے عورتوں کے سامنے میدان عمل کھولا گیا ہے، عورتوں نے جو ترقی کی ہے اگر کوئی شخص اُن کو پیش نظر رکھے، تو اُس کو نظر آئیگا کہ متعدد عورتوں نے فنون لطیفہ کی مختلف شاخوں میں کمال کا درجہ حاصل کر لیا ہے' اور اس حیثیت سے ہم عورتوں کے شاندار مستقبل کے متعلق ایک بشدت آمیز پیشینگوئی کر سکتے ہیں، اور اس لحاظ سے ہم کو فطرت انسانی کے شکنجے میں جکڑنا نہیں چاہئے، کیونکہ وہ بہت سے مخفی قوتوں کا سرچشمہ ہے جو کبھی کبھی اس زور کے ساتھ پھوٹ نکلتا ہے کہ بڑے بڑے دُوراندیش حکماء کو بھی اُس کی توقع نہیں ہوتی، جان ڈارک کے واقعہ سے دُنیا میں کون واقعہ عجیب تر ہوگا؟ کون جان ڈارک؟ وہ اَن پڑھ بکریاں چلانے والی عورت جس نے ۱۸ سال کے سن میں نہایت قابلیت کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج کی سپہ سالاری کی۔

۶) شوق حصول معلومات

حصول معلومات کا شوق ہر علم کا سنگِ بنیاد ہے، انسان پر اپنے گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھ کر عجب حیرت چھا جاتی ہے، اور جب اُس کو علل و اسباب کے معلوم کرنے کی اندرونی تحریک محسوس ہوتی ہے، اُسوقت اُس کے دل میں علم کا پودا جڑ پکڑ جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قدرت نے عورت کو بھی اس عطیہ سے سرفراز فرمایا ہے؟

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ قوت مردوں میں بھی بہت کم پائی جاتی ہے، اور عورتوں میں تو یقیناً بہت ہی کم ہوتی ہے، لیکن شوق حصول معلومات سے اگر وہ اندرونی تحریک مراد ہو جس کے ذریعہ سے ایک شخص رازہائے مخفیہ کا انکشاف کرتا ہے، دقیق باتوں کو واضح کرتا ہے، اور فطرت اور تمدن کے اندر سے اصل حقیقت کو نکالتا ہے، تو تفصیل متذکرہ بالا صحیح ہو سکتی ہے، کیونکہ اسی اندرونی تحریک کے ذریعہ سے علماء و مخترعین کی جماعت پیدا ہوتی ہے، ورنہ معمولی واقعات اور پبلک حالات کے معلوم کرنے کا شوق جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے عموماً عورتوں میں نہایت نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، لیکن ان دونوں قسم کے شوق کا فطری ماخذ اگرچہ ایک ہی ہوتا ہے [illegible] ایک شخص کی ذات میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے [illegible] شوق ہوتا ہے، اُن کو معمولی اور [illegible] اور جو لوگ عام واقعات اور عام حالات سے دلچسپی [illegible] کا شوق نہیں ہوتا۔ مشاہیر علماء کے سوانح زندگی سے معلوم ہوتا ہے [illegible] حصول معلومات کا شوق پایا جاتا ہے چنانچہ [illegible]

چند ہیرو غلیفی حروف سے واقفیت حاصل ہوگئی، اور اُسی وقت سے بلا تحریک اور حوصلہ افزائی کے مخفی طور پر اُس نے اس زبان کے سیکھنے کا عہد کر لیا، اس لئے جب اُس کے پاس کچھ روپئے جمع ہو جاتے تھے، تو قدیم کتابوں کی دُکان پر جاکر وہ کتابیں خرید کیا کرتا تھا جو مصر کی تاریخ اور مصر کی زبان سے تعلق رکھتی تھیں، اُسنے متصل دس سال تک اپنی مخفی جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر ایک دن اُس کے ساتھیوں کو دفعتہً یہ معلوم ہُوا کہ ان مباحث میں اُس نے حیرت انگیز مہارت حاصل کر لی ہے، اور اس کے بعد وہ قدیم مصری تاریخ کا بہت بڑا اتھارٹی ہو گیا، لیکن حصول معلومات کا یہ فطری شوق عورتوں میں اگرچہ کلیتہً مفقود نہیں ہے، تاہم نادرالوجود ضرور ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ مردوں میں بھی بہت کم پایا جاتا ہے، اس مسئلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر عورتوں کو مفید مشاغل میں مصروف رہنے کا موقع دیا جائے اور اُن کی تربیت اور طرز معاشرت میں اصلاح کی جائے تو اُن میں حصول معلومات کے شوق کو ترقی ہوگی اور وہ ادنےٰ درجہ سے درجہ اعلیٰ تک پہنچ جائیگا۔

۸۔ علمی تحقیقات کی قابلیت

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ عورت میں حصول معلومات کا شوق پایا جاتا ہے تو کیا اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ اُس میں علمی تحقیقات کی قابلیت بھی موجود ہے؟ اس قسم کی قابلیت اُن قوائے نظریہ کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے جو جزئیات سے کلیات بناتی ہیں، خاص سے عام تک پہنچتی ہیں، اور ایک عام نتیجہ کا استنباط کرتی ہیں، لیکن اس بات پر اکثر کا عام اتفاق ہے کہ عورت میں یہ قوتیں موجود نہیں ہیں، بلکہ جن معاملات میں محسوس کو کوئی معنوی خارجی مصداق نہیں ہوتا وہ بچوں کی طرح اُن سے

نفرت کرتی ہے، اور عام مطالب اور عام نتائج کے استنباط سے عاجز و درماندہ نظر آتی ہے،

اگرچہ اس الزام میں تھوڑی سی راست بیانی بھی شامل ہے، لیکن ہم اس کو حرف بحرف صحیح تسلیم نہیں کر سکتے، کیونکہ عورت کو علوم ریاضیہ مثلاً جبر و مقابلہ اور اقلیدس کی تعلیم نہایت آسانی کے ساتھ دی جا سکتی ہے، فرانس میں لینسس کی ڈگری ریاضیات کے اعلیٰ درجہ کی ڈگری تھی اور اس کو عورتوں نے حاصل کر لیا تھا اور وہ نہایت قابلیت کے ساتھ ان علوم کی تعلیم بھی دیتی تھیں، زمانہ قدیم سے آج تک جن عورتوں نے علوم و فنون میں کمال کا درجہ حاصل کیا ہے، اُن کی فہرست نہایت طویل ہے، اس لئے ہم صرف چند مثالوں پر قناعت کرتے ہیں،

اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک اٹالین شہر بولونیا میں ایک عورت نے جس کا نام لورا باسی تھا ۲۱ سال کے سن میں فلسفہ میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد بولونیا یونیورسٹی میں فلسفہ کی پروفیسر ہو گئی، بعد کو اگرچہ وہ نکاح کر کے صاحب اولاد بھی ہو گئی، لیکن اُس نے اپنے اس مشغلہ کو جاری رکھا، میڈم کو فالفسکا بھی جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، اسی قسم کی لیڈی ہیں، وہ اسٹوکھلم یونیورسٹی کی پروفیسر تھیں، اور ہندسہ میں ان کو نہایت نمایاں شہرت حاصل تھی، اس دور کے متعدد علماء جن کو فرانس کی علمی اکاڈیمی نے ۱۸۸۸ء میں علوم ریاضیہ کے سب سے بڑے تمغے عطا کئے تھے، انہی کے شاگرد تھے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت علوم ریاضیہ میں کمال حاصل کر سکتی ہے اور اس کمال میں اُس کی فطرت کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتی، اس حیثیت سے مرد اور عورت میں جو کچھ فرق ہے وہ صرف اضافی ہے، جو طرز معاشرت، اور طریقہ تربیت وغیرہ کے اختلاف سے

پیدا ہوا ہے، لیکن کیا اس تفصیل سے یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ عورت پر جو الزامات اوپر لگائے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ کلیات کا ادراک نہیں کر سکتی اور عام مسائل اور عام نتائج کے استنباط سے عاجز ہے، وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں؟ میں کہونگا کہ ہرگز نہیں" بلکہ وہ ایک محدود شکل میں بالکل صحیح ہیں، یعنی عورت کو اگر عمدہ اُستاد اور پروفیسر ہاتھ آجائیں تو وہ اعداد و پیمائش میں کمال کا درجہ بے شبہ حاصل کر سکتی ہے، لیکن اُس کو طبعی اور اجتماعی حالات کی مہارت بہت کم حاصل ہو سکتی ہے، اور جزئی واقعات سے عام مسائل کا اخذ کرنا اُس کے لئے بہت مشکل ہے، اور یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے، عورت کے اخلاق کی جو تفصیل ہم کو معلوم ہو چکی ہے اُس سے اسی قسم کی توقع ہو سکتی ہے، ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غیر محسوس چیز کی طرف بہت کم توجہ کرتی ہے، اور اُس کو عام رائے کی بہت کم پروا ہوتی ہے، ہم کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اُس کی ذہانت بالکل ایک فطری چیز ہے، جسکا ...دار غور نہیں بلکہ دل ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت مفہوم کلی سے نفرت رکھتی ہے، اُس کا مطالعہ کسی چیز کی تحلیل نہیں کرتا اور اُس کا ذہن خاص سے عام کی طرف اور جزئی سے کلی کی طرف بمشکل منتقل ہو سکتا ہے، منطقیانہ قیاس کے قواعد اُس کو نہایت خشک معلوم ہوتے ہیں، اس لئے وہ اُن پر استقلال کے ساتھ غور نہیں کر سکتی، جن عورتوں نے اس موضوع پر لکھا ہے اُنہوں نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، چنانچہ ایک لیڈی نے ایک سوال کے جواب میں خود مجھ کو لکھا ہے کہ منطقیانہ قیاس کے قواعد عورتوں نے بنائے ہیں اور نہ وہ اُنکے لئے بنائے گئے ہیں" مشہور عالم ... نے اس غرض سے بعض عورتوں سے چند کلی سوالات کئے مثلاً ... کیا ... ہیں؟ اور عدد کا مفہوم کیا ہے؟ تو اُس کو معلوم ہوا کہ ... نہایت ... کو ... محسوس صورت میں کر سکتی

ہیں یعنی وہ اُن کا تصوّر صرف اُن اشیاء و حوادث کے ضمن میں کر سکتی ہیں جو اُنکے تجربے میں آ چکی ہیں، اور اُن سے قطع نظر کرکے یہ معانی اُن کے سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ یہی حال استنباط نتائج کا بھی ہے، یعنی عورت نتائج پر کبھی غور نہیں کرتی، بلکہ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ مقدمہ سے جست کرکے یا تو دفعتہً نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے، یا ایسے دلائل پر اعتماد کرتی ہے جو منطقیانہ حیثیت سے بالکل پا در ہوا ہوتی ہیں، اس لئے جو چیز ثبوت کی محتاج ہے اُس کو یقینی سمجھ لیتی ہے، اور جس چیز کا فیصلہ صرف عقل کر سکتی ہے اُس میں قلب کے فطری الہام سے کام لیتی ہے، غرض وہ اُن تمام مؤثرات کو اپنا رہنما بناتی ہے جو عقل کو گمراہ کرنے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ عورت کتنی ہی روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہو، لیکن ایک عقلمند مرد کے لئے اُس سے مباحثہ و مناظرہ کرنا سخت مشکل کام ہے،

ایک بار ایک مشہور اسپیکر نے "افلاس" پر تقریر کی جس کا ذکر میں نے ایک لیڈی سے کیا اور کہا کہ اسپیکر نے تقریر تو اچھی کی، لیکن اُس میں کوئی نئی بات نہ تھی، لوگوں نے اُس کی زبان سے دوسری باتوں کے سُننے کی توقع تھی، اُس لیڈی نے فوراً جواب دیا کہ "اگر دُنیا سے احسان کا خاتمہ کر دیا جائے تو پھر دنیا میں کون رہیگا؟" گویا مقرر پر میں نے جو نکتہ چینی کی اُس کے معنی یہ تھے کہ میں دُنیا سے احسان کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں عورتوں کی نسبت اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ موضوع بحث کے دائرے سے باہر نکل جاتی ہیں، اور یہ واقعہ اُس کی ایک مثال ہے،

ایک دوسری مثال غالباً اس سے بھی زیادہ واضح ہے، ایک دن مجھ کو ایک لیڈی اور اُس کی لڑکی سے موضوع نکاح پر گفتگو کرنے کا اتفاق ہُوا، اور اس موقع پر لڑکی نے کہا کہ "میں صرف اُسی وقت نکاح کروں گی جب مجھ کو اپنے باپ جیسا مرد ملیگا" لیکن میں نے کہا کہ "عزیزہ من! کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارے

باپ جیسے آدمی کا ملنا آسان کام ہے؟" اس جملے سے میرا مطلب صرف یہ تھا کہ میں اُس پر یہ ظاہر کر دوں کہ میری نگاہ میں اُس کے باپ کی کس قدر وقعت ہے لیکن بعد کو مجھ کو اتفاقاً معلوم ہوا کہ وہ لڑکی اُس شام کو اس خیال کی بنا پر زار قطار روئی کہ "میں اُس سے محبت نہیں رکھتا اور اُس کی سعادتمندی نہیں چاہتا" ان اسباب سے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عورتوں کو صحیح عقلی قیاس کا خوگر بنایا جائے، نتائج پر غور و فکر کرنے کی تعلیم دی جائے، دلائل و براہین پر نقد و بحث کرنے کا طریقہ سکھایا جائے، ثابت شدہ بات اور غیر ثابت شدہ بات ظنّی چیز اور یقینی چیز میں امتیاز کرنے کی روش بتائی جائے، اگرچہ مردوں میں بھی صرف چند ہی لوگوں میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں، تاہم وہ عورتوں میں اور بھی کم ہیں، اس لئے عورتوں کو اصلاح کی اور بھی سخت ضرورت ہے،

خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے پاس ذہانت کا کافی ذخیرہ موجود ہے اور اُس کی ذہانت نہایت تیز اور برجستہ ہے لیکن اسی کے ساتھ فطرت اور تربیت دونوں کے اثر کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس میں گہرائی اور لمبائی نہیں پائی جاتی اسی طرح وہ غور و فکر کم کرتی ہے اور نتائج تک بہت جلد پہنچ جاتی ہے۔ عورت کی ذہانت کے چند اور خصوصیات بھی ہیں، مثلاً اُس میں استحکام اور پائداری سے زیادہ لطافت پائی جاتی ہے، و۔ اکتسابی علم اور فطری زیادہ ہوتی ہے، لیکن یہ تمام باتیں اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتیں کہ عورت کی ذہانت کی اصلاح و ترقی ناممکن ہے، بلکہ واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے، شمر لوایئر کہتا ہے کہ وہ عورت اپنے ساتھ علم کو اس طرح لئے پھرتی ہے جیسے اپنی گھڑی کو، وہ گھڑی کو صرف

صرف اس لئے ساتھ رکھتی ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اُس کے پاس گھڑی ہے، اگرچہ وہ خود اس کو نہیں جانتی یا کم از کم باقاعدہ طور پر نہیں جانتی" لیکن ہم اس قول کی تائید کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ہم اس قول میں میڈم دی مشتتون کے ہم زبان ہیں کہ "عورت کا علم صرف آدھا علم ہے، کیونکہ جو کچھ وہ پڑھتی ہے بلا تحقیق و تنقید اُس کو رٹ لیتی ہے، خود کسی چیز کی تحقیق نہیں کرتی، حالانکہ بہترین علم کا سنگ بنیاد یہی ہے"۔

خود میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ عورت کی فطری ذہانت اور طبعی مہارت اُس کے کسی علم و معرفت پر تفوق رکھتی اس لئے اُس کی تعلیم ایسی نہیں ہونی چاہیے جس سے ان فطری اوصاف کا خاتمہ ہو جائے، اگرچہ اُس کی عقلی قوتیں مختلف ہوتی ہیں، تاہم اُس کی اصلی امتیازی خصوصیت وہی لچکدار ذہانت ہے جس نے اُس میں مشکلات سے بچ نکلنے کی مہارت پیدا کی ہے، اور جس کی وجہ سے وہ اندرونی خواہشوں کا پتہ لگا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو گفتگو کرنے کا بڑا سلیقہ آتا ہے اور وہ محبت آمیز خطوط لکھنا خوب جانتی ہیں، کیونکہ خط بھی ایک تحریری گفتگو ہوتی ہے، لیکن جن چیزوں میں دُور اندیشی، صحت قیاس، اور منطقیانہ اصول کی پابندی کی ضرورت ہوتی ہے، اُس میں عورتیں کوتہ دست ہوتی ہیں، حاصل یہ ہے کہ اُن کو علوم و فنون سے زیادہ لٹریچر میں مہارت ہوتی ہے،

لیکن اُن کو رفتہ رفتہ نہایت آسانی کے ساتھ علمی غور و فکر کا طریقہ سکھایا جا سکتا ہے، تقلید اور گمراہی کا جو غیر معمولی مادہ اُن میں پایا جاتا ہے، اُس کی اصلاح کیجا سکتی ہے، اور تاکیدی لہجے میں جو بات اُن کے سامنے کہی جاتی ہے بلا نقد و بحث اُس کی تصدیق کی جو قابلیت اُن میں موجود ہے اُس کو زائل کیا جا سکتا ہے بے شبہ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے، اور یہ اصلاح صرف ایک نسل میں مکمل نہیں ہو سکتی،

کیونکہ عورت کی عقل جن بیڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے، اُس کا سرے سے کاٹ دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ صحیح طریقوں سے اُس کی تہذیب و اصلاح مقصود ہے لیکن اس طریقہ کو اختیار کر کے عورت جس حد تک ترقی کر جائیگی، سردست ہم اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے اس کا فیصلہ ہم خود زمانے پر چھوڑ دیتے ہیں، ہمارے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ ہم خود اس ترقی کی کوئی حد نہ مقرر کریں، بلکہ اس تحدید کو خود عورت ہی کی رائے پر چھوڑ دیں،

بہر حال عورتوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ وہ تحقیق و تنقید میں مردوں کی ہمسر ہو جائیں، کیونکہ انسانی ترقی کی تکمیل صرف ایک عالم کی تجربہ گاہ اور ایک فیلسوف کے کتب خانے ہی میں نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے عورتوں کی اعانت بھی ایک ضروری چیز ہے، عورت کی آخری منزل یہ نہیں ہے کہ وہ ایک عالم یا ایک فلسفی بن جائے، بلکہ اُس کے لئے صرف اسقدر کافی ہے کہ انسانیت نے علمی اور فلسفیانہ حیثیت سے جس حد تک ترقی کر لی ہے وہ اُس کے پیش نظر رہے، اور وہ اُس کی قدر کرے، عورت کی اسقدر علمی توجہ علمی اور فلسفیانہ مسائل کے انکشاف کی طرف مردوں کو کافی طور پر راغب کر سکے گی، اور اس کے علاوہ ادبی اور علمی نتائج کی عورت کو کیا ضرورت ہے؟ عورت کا پہلا فرض صرف یہ ہے کہ وہ ہم کو یہ بتائے کہ ہم کیونکر اپنے طرز معاشرت کو بہتر بنائیں؟ اور کیونکر زندگی کے حُسن و جمال اور لطف و محبت سے فائدہ اُٹھائیں؟ مرد نئی نئی نامعلوم چیزوں پر ٹوٹتے ہیں، لیکن عورت کی قدامت پرستی مردوں کے اس غیر معتدل شوق میں غالباً اعتدال پیدا کرے گی، اور اس طریقہ سے نوع انسانی میں روحانی توازن پیدا ہو جائے گا۔

عورت کا ارادہ

جن تین اجزاء سے روحانی زندگی مرکب ہے، اُن میں ہم نے پہلے عورت کے احساس پر بحث کی، پھر اُس کی ذہانت کا مطالعہ کیا، اب اُس کے آخری جزو یعنی ارادہ اور اُس کے ملحقات پر غور کرتے ہیں،

تمہیدی تعریفات

انسانی زندگی میں احساس کا کام اُن اثرات کا قبول کرنا ہے جو محرک عمل ہوتے ہیں، اور ذہانت کا فرض یہ ہے کہ وہ عمل سے پہلے بُرے بھلے کی تمیز کر کے ہم کو صحیح راستہ بتلائے، دوسرے الفاظ میں اس مفہوم کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ احساس ہم کو عمل پر آمادہ کرتا ہے، اور ذہانت ہم کو عمل کا مناسب طریقہ بتاتی ہے، لیکن ارادہ ہمارے مطلوب اور مقصود کو عملی حیثیت سے وجود میں لاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان اجزاء کی یہ تحلیل ایک اختراعی اور اصطلاحی چیز ہے، کیونکہ یہ اجزاء الگ الگ نمایاں نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ باہم مدغم و منضم رہتے ہیں، چنانچہ ہم زندگی کے ہر لمحے میں احساس، غور، ا

عمل سب کچھ ایک ہی ساتھ کرتے ہیں، فلاسفہ کا ایک گروہ ہے جو انسانی ارادہ کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتا، اور اُس کو ایک مشین سمجھتا ہے جس کو مختلف قوتیں حرکت دیتی رہتی ہیں اس لئے وہ یا تو مجبوراً اُس قوت کے رُخ کی طرف حرکت کرتا ہے، جو غالب ہوتی ہے، یا اُس کو اُس رُخ کی طرف حرکت کرنی پڑتی ہے جو ان قوتوں کے باہمی تاثیر و تاثر سے متعین ہو جاتا ہے، لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انسان ایک آزاد ارادہ رکھتا ہے، یعنی اُس میں ایک ایسی اندرونی طاقت موجود ہے جو اُس کے اخلاق کو پیدا کرتی ہے اور اُس کی رُوح پہ اپنا اثر ڈالتی ہے، تاہم اس وسیع بحث کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

اس امر کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے کہ قوت ارادی انسان کی جسمانی طاقت سے بالکل الگ اور مختلف ہے، ہم کو بہت سے لوگ مل سکتے ہیں جن کی جسمانی طاقت نہایت ترقی یافتہ ہوتی ہے، لیکن اُن کا روحانی نشاط بالکل ضعیف ہوتا ہے، اس کے بالکل برعکس بہت سے ضعیف اور لاغر لوگ، نہایت راسخ العزم، اور قوی الارادہ ہوتے ہیں،

ارادہ کے دو معنی ہیں ایک عام اور ایک خاص، عام معنی کے لحاظ سے ارادہ تمام اعمال انسانی کو شامل ہے یعنی اس کے اندر وہ تمام اعمال بھی داخل ہیں جو فطری طور پر انسان سے صادر ہوتے ہیں، اور وہ کام بھی شامل ہیں جن کو انسان غور و فکر کے ساتھ انجام دیتا ہے، لیکن خاص معنے کے لحاظ سے صرف وہ کام ارادہ کے دائرے میں آسکتے ہیں جن کو انسان غور و فکر کے ساتھ کرتا ہے، اور اُس کی بنیاد اُن اصول پہ ہوتی ہے جن کو انسان اپنی زندگی کے لئے شمع راہ بنا لیتا ہے، ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ صاحب ارادہ ہے تو یہی خاص معنے مراد لیتے ہیں، کیونکہ اس لفظ سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتا

ہے، اور اپنے روح کا مدبر و منتظم ہے،

اس خاص معنے کے لحاظ سے انسان میں دو قسم کا ارادہ پایا جاتا ہے،

(۱) ایک وہ قوت جس کے ذریعہ سے وہ کسی کام کے انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے،

(۲) دوسرے وہ طاقت جس کے ذریعہ سے وہ اپنے مقصد کو عالم عمل میں لاتا ہے اور اُس پر ثابت قدم رہتا ہے، کیونکہ صرف کسی کام کا فیصلہ کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اُس کو عمل میں لانا اور اُس پر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے، اور یہ عملی قوت قوت فیصلہ سے زیادہ اہم ہے، اور لوگوں میں بہت کم پائی جاتی ہے، ایسے لوگ تو بہت ہیں جو کسی چیز کا فیصلہ کر لیتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنے عزم و ارادہ کو عملی لباس پہناتے ہیں، اور اس راہ کی تمام مشکلات پر ثابت قدم رہتے ہیں، صاحب ارادہ صرف اُسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو عزم کرنے کے بعد باوجود تمام رکاوٹوں کے اُس کو نہایت جدوجہد کے ساتھ عمل میں لاتا ہے، لیکن بہت سے لوگ ہیں جو سنگ راہ کی پہلی ہی ٹھوکر میں اپنے مقاصد سے منحرف ہو جاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے اغراض ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور اُن کو ثبات و استحکام حاصل نہیں ہوتا، جو لوگ ضعیف الارادہ ہوتے ہیں اُن کی حالت یہی ہوتی ہے، اور لطف یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں، اُس کو کر بھی ڈالتے ہیں ضعف ارادہ کی ایک اور صورت بھی ہے جس کی طرف اس موقع پر اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، یعنی لوگ ضد اور ہٹ کو ثبات و استقلال کا مرادف سمجھتے ہیں، حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ضد اور ہٹ ارادہ کی ایک منجمد اور غیر متحرک صورت کا نام ہے، جس سے در پردہ نظام اخلاق کے ضعف کا پتہ چلتا ہے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ہم ارادۂ نسوانی کے مظاہر کی تفصیل کرتے ہیں +

جرأت

عورت کی بزدلی نہایت مشہور چیز ہے، اور مرد اس حیثیت سے اُس کی مشابہت کو موجب ننگ و عار سمجھتا ہے، مثلاً اگر کسی مرد سے یہ کہا جائے کہ "وہ عورت کی طرح بزدل ہے" تو وہ اُس کو اپنی سب سے بڑی توہین خیال کرے گا بلکہ بہادر آدمیوں کے انتخاب و ترجیح سے خود عورتیں اس کی تصدیق کرتی ہیں، کیونکہ یہ انسان کا فطری خاصہ ہے، کہ وہ اپنی ذات میں جس چیز کی کمی محسوس کرتا ہے اُس کی تلافی کے لیئے دوسرے ذرائع کا خواستگار رہتا ہے، میڈم دی منتنون کہتی ہیں کہ ہماری ہمجنسوں کی فضیلت رقیق القلبی ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ مرد میدان جنگ میں جس جرأت اور بہادری کا اظہار کرتے ہیں اُس کو اُنہی کے لئے چھوڑ دیں صرف شرم و تواضع ہمارے اخلاق کے مناسب حال ہیں" لیکن اسی کے ساتھ بہت سی مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات عورتوں نے بھی بڑی بہادری دکھائی ہے، دور قدیم اور دور جدید میں جن عورتوں نے اس میدان میں اپنے جوہر دکھائے ہیں، اُن کی مکمل فہرست کی ضرورت نہیں ہے، صرف چند مثالیں کافی ہیں، مثلاً حکیم سنیکا کی بی بی کا ایک واقعہ تاسبت نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اُس کے شوہر کا انتقال ہوا تو اُس نے اپنے جسم کو اُسترے سے کاٹ ڈالا تاکہ وہ بھی اُس کے ساتھ مر جائے لیکن وہ قریب بہ ہلاکت ہو چکی تھی کہ لوگوں نے اُس کو روک دیا، تاسبت نے ایک رومن عورت کا ایک اور واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ اُس کے ساتھ چند مردوں پر ایک جرم قائم کیا گیا، اور جب یہ لوگ عدالت کے سامنے پیش کئے گئے تو مردوں نے باہم ایک دوسرے پر الزام لگا کر خود بری ہو جانے کی کوشش کی، لیکن اس دلیر عورت نے خود اپنا گلا گھونٹ لیا کہ اُس کو ججوں کے سامنے اپنے رفقاء کی طرح

اس قسم کی بزدلی کا موقع نہ مل سکے، اس قسم کے دلیرانہ واقعات میں ہندوستانی عورتوں کے ستی ہو جانے کا واقعہ عام طور پر مشہور ہے، اور تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے، اکثر بالخصوص شورش وانقلاب کے زمانے میں عورتوں نے مردوں کے پہلو بہ پہلو جنگ کی ہے، لیکن اس موقع پر ان واقعات کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ مستثنیٰ واقعات ہیں، تب بھی کم از کم ان سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے اس علوئے نفس اور استواری اخلاق میں خود اُس کی فطرت کوئی رُکاوٹ نہیں پیدا کرتی، اس جرأت کے علاوہ جب صبر و برداشت کا موقع آتا ہے تو وہ ایک خاص قسم کی جرأت کا اظہار کرتی ہے، اور وہ اس میدان میں مرد سے بہت آگے نظر آتی ہے، دوسرے الفاظ میں وہ حملہ اور اقدام کے مواقع سے زیادہ اپنی بہادری کا جوہر اُس موقع پر دکھلاتی ہے، جب تکالیف و مصائب کے برداشت کرنے کا وقت آتا ہے،

لیکن مردوں میں ایک ایسی شرمناک کمزوری پائی جاتی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ عورتوں پر بزدلی کے الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتے یعنی اُن میں ایسے آبرو باختہ لوگ بھی موجود ہیں، جو اپنے ہمسروں کے مقابلے سے تو جان چُراتے ہیں، لیکن ایک معصوم لڑکی کو بہکا کر بداخلاقی پر آمادہ کرتے ہیں، اور جب اُن کا ذلیل مقصد حاصل ہو جاتا ہے، تو اس غریب کے بہتے ہوئے آنسو بھی اُن کے دل میں رحم و محبت کا جذبہ نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ اب تک اس ذلیل فعل کے انسداد کے متعلق رائے عام میں کافی بیداری نہیں پیدا ہوئی ہے، تاہم اس سے زیادہ دناوت کا وجود جو انسان کو گمراہی کے اس سے بھی زیادہ گہرے غار میں گرا سکے ناممکن ہے،

قوتِ فیصلہ

جن چیزوں سے اخلاقی شخصیت پیدا ہوتی ہے اُن میں سب سے مقدم قوتِ فیصلہ ہے، لیکن عورتوں میں عموماً یہ قوت مردوں سے کم پائی جاتی ہے، لیکن اس کا سبب عورتوں کا فطری جمود نہیں ہے، بلکہ اُس کے احساس کی شدّت ہے، عورت کا دماغ اپاہج نہیں ہے، اُس کے مقاصد بھی کم نہیں ہیں، اس لئے یہ کمی اُس کی قوتِ فیصلہ میں خلل انداز نہیں ہوتی، بلکہ جو چیز رُکاوٹ پیدا کرتی ہے، وہ اُس کی طبیعت کی تیزی ہے، اُس کے مقاصد کی کثرت ہے، اور اُس کے ہر لحظہ بدلنے والے جذبات ہیں،

جن اسباب و محرکات کی بنا پر ہم کوئی فیصلہ کرتے ہیں اُن کے لئے دُو شرطیں لازمی ہیں،

(۱) ایک تو یہ کہ ان اسباب و محرکات کا اثر ایک زمانے تک قائم رہنا چاہئے، تاکہ وہ ایک سلسلۂ اعمال کا مبدء بن سکیں،

(۲) دوسرے یہ کہ اُن میں غور و فکر کی بھی آمیزش ہونی چاہئے تاکہ عقل اُن کو قبول کر سکے،

لیکن عورتوں میں اکثر یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں، کیونکہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی متعدد خواہشیں ہوتی ہیں، اور اس حالت میں وہ پے درپے اُن کے دل میں آتی رہتی ہیں اور وہ خود کسی خواہش پر قائم نہیں رہ سکتیں، اور بعض اوقات خواہش تو ایک ہی ہوتی ہے، لیکن وہ اُس کی پوری زندگی پر چھا جاتی ہے، اور اس حالت میں وہ ایک اندھا دھند عشق کی غلام بن جاتی ہے، جو اُس کے تمام اعمال کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے، ایک شخص کہتا ہے، کہ "عورت میں یا تو سرے سے

جرأت نہیں پائی جاتی ہے، تو غیر معتدل طور پر پائی جاتی ہے اور یہ دونوں صورتیں اخلاقی کمزوری میں شامل ہیں،

عورتوں میں تقلید اور باتوں میں آجانے کا جو مادہ پایا جاتا ہے، وہ بھی اس کا ایک سبب ہو سکتا ہے، عورت فطرۃً انفرادی غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتی، بلکہ وہ اکثر گھر بار، رسم و رواج، عادت اور رائے عام یا اس شخص کی اعانت وہ وقعت سے غور و فکر کرتی ہے جس کی وہ محبت اور وقعت کرتی ہے، کیونکہ عورت مادی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے ایک مددگار کی محتاج ہوتی ہے اگرچہ بعض اوقات اس کا کوئی سہارا باقی نہیں رہتا اور اس حالت میں اس کو اپنی ذات کا، اپنے گھر اور اپنے خاندان کے معاملات کے متعلق خود غور و فکر کرنا پڑتا ہے، لیکن اس حالت میں وہ سخت تکلیف محسوس کرتی ہے اور اپنے اعزہ و احباب سے اس کی شکایت کرتی ہے، حالانکہ وہ ان تمام معاملات میں جس قابلیت کا اظہار کرتی ہے اس پر پرائے لوگوں کو بھی تعجب ہوتا ہے، لیکن اگر لڑکیوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ اخلاقی کمی ان میں عموماً پسند کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لڑکیاں مستقل اور نمایاں شخصیت رکھتی ہیں، عام طور پر لوگ ان سے نفرت رکھتے ہیں، اس حالت میں عورت کے لئے ایک [illegible] تو اس کی قوت [illegible] اور لطافت طبعی میں [illegible] مسئلہ سب سے زیادہ [illegible] ہے۔

قوت عمل [illegible]

[illegible] کی کس قدر قدرت

رکھتی ہے ؟ اور اپنے لئے اُس نے جو پروگرام بنایا ہے اُس پر کس قدر قائم رہ سکتی ہے ؟ افسوس ہے کہ ہم اس میدان میں بھی اُس کو مرد سے پیچھے پاتے ہیں عورت ایک کام کی ابتداء نہایت خوبی کے ساتھ کر سکتی ہے، لیکن وہ اسی حد تک پہنچ کر رُک جاتی ہے، اور اُس کو اخیر تک قائم نہیں رکھ سکتی، لیکن اس اخلاقی کمزوری کا سبب نہایت آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے، یعنی یہ کہ اُس میں معمولی سے معمولی چیزوں سے بھی متاثر ہونے کی سخت قابلیت پائی جاتی ہے، اس لئے اُس کی خواہشیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں، اور یہی اس کمزوری کا اصلی سبب ہے، ریشتر کہتا ہے "مرد صرف ایک خواہش کا غلام ہوتا ہے، لیکن عورت بہت سی خواہشوں کی غلام ہوتی ہے"

مرد ایک مسلک کا سختی کے ساتھ پابند ہو جاتا ہے، اور عورت کو سیکڑوں طریقے اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیتے ہیں" یہی وجہ ہے کہ عورت کے مقاصد و اغراض ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، لیکن وہ خود قصداً اُن میں تغیرات نہیں پیدا کرتی بلکہ یہ اُس کی فطری حالت کا نتیجہ ہے،

ربیو نے تلوّن و انقلاب کو ارادہ کا مرض قرار دیا ہے اور اس پر نہایت تفصیل و تدقیق کے ساتھ بحث کی ہے، لیکن ہم اس کو صرف اُسی حالت میں ایک اخلاقی مرض قرار دیتے ہیں جب وہ معتدل حالت سے جیسا کہ جنون اور ہسٹریا میں ہوتا ہے، گذر جائے ربیو نے بدحواسی کو بھی ارادہ کا مرض قرار دیا ہے، اور اُس کو تلوّن سے مختلف خیال کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں کا سبب صرف ایک ہے یعنی یہ کہ انسان کو جب اپنے نفس اور اپنے جذبات پر قابو نہیں حاصل ہوتا تو اُس کے دل میں متعدد جذبات کی ہجوم و شدت سے ایک کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، اور محرکات مواقع پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے انسان بغیر غور و فکر کے

ایک کام کر گذرتا ہے، چنانچہ ریبو کہتا ہے کہ "لڑکے، عورتیں اور ضعیف العقل لوگ ایک طویل زمانے تک اپنے احساسات کو قائم نہیں رکھ سکتے کیونکہ اُن پر اشیاء کا جو اثر پڑتا ہے وہ ضعیف ہوتا ہے" خلاصہ یہ کہ کشمکش کے موقعوں پر عورت اپنے حواس کو اس لئے نہیں قائم رکھ سکتی کہ اُس کو اپنے مختلف گوناگون جذبات پر قابو نہیں حاصل ہوتا، اس لئے اُس کے حواس پریشان ہو جاتے ہیں اور مقاصد و اغراض میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہسٹیریا اگرچہ عورتوں کا مخصوص مرض نہیں ہے تاہم وہ عورتوں میں نہایت کثرت سے پھیل گیا ہے، یہ ایک نہایت مزمن مرض ہے جس کا اثر ارادہ پر نہایت شدت کے ساتھ پڑتا ہے، اس لئے جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ دائمی طور پر متلون مزاج ہو جاتا ہے، اور اُس کی کسی حالت کو ثبات و قرار نہیں حاصل ہوتا، کبھی وہ مسرور رہتا ہے کبھی مغموم، کبھی شگفتہ مزاج رہتا ہے کبھی ترش رو، دوسرے الفاظ میں اس قسم کے لوگ اگر کسی ایک حالت پر قائم رہ سکتے ہیں تو صرف تلون مزاجی پر قائم رہ سکتے ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اُن کی عقل ایک دائمی شورش میں مبتلا رہتی ہے،

صبر و تحمل

لیکن بایں ہمہ ہم کو اس بحث میں حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورت کی خواہشیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں، تاہم اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ عورت کے دل پر جب کسی سخت [illegible] کا تسلط ہو جاتا ہے تو وہ صبر و تحمل کی ایک عجیب و غریب مثال بن جاتی ہے، لیکن اس کے لئے ایک سخت جذبہ مثلاً سخت محبت، اور سخت ایمان وغیرہ کا تسلط ایک لازمی چیز ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے عورت کی اس امتیازی خصوصیت پر کسی کی

نگاہ پڑی ہے یا نہیں، لیکن مجھے تو یہ نظر آتا ہے، کہ عورت معمولی واقعات سے بہت زیادہ غیر معمولی حالات میں اپنے دل پر قابو رکھتی ہے، اور معمولی جذبات کے مقابلے سے بہت زیادہ وہ سخت جذبات کا مقابلہ کرسکتی ہے، اس بناپر عورت کی تلون مزاجی اور خفیف الحرکاتی اُس کی زندگی کے سطحی حصے سے آگے نہیں بڑھتی، عموماً عورتیں چوہے اور بلی کو دیکھ کر تو گھبرا اُٹھتی ہیں، لیکن جب اصلی مصیبت کا وقت آجاتا ہے تو بہت سی عورتیں اس سخت حالت میں سکون ووقار کا کافی طور پر اظہار کرتی ہیں مثلاً ۱۸۶۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک جہاز ایک دوسرے جہاز سے ٹکرا کر ڈوبنے لگا، اس حالت میں ایک مُسافر کا چشم دید بیان ہے کہ عورتوں نے اس نازک موقع پر مردوں سے زیادہ صبر وثبات سے کام لیا، صرف اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ اس قسم کے اکثر واقعات میں عورت کی یہ خصوصیت عام طور پر نظر آتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایک معمولی واقعہ عورت کو بدحواس بھی کردیتا ہے، مثلاً جب وہ گاڑی پر سوار ہوتی ہے، اور راستے کی بھیڑ بھاڑ یا دوسری گاڑیوں کے تصادم سے اُس میں جنبش پیدا ہوجاتی ہے، تو عورت گھبرا اُٹھتی ہے، لیکن جب سخت مصیبت بالخصوص جب ایسی مصیبت آجاتی ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی (جیسا طاعون اور ہیضہ میں ہوتا ہے) تو عورت نہایت باوقار، اور نہایت ساکن القلب نظر آتی ہے،

اگر عورت کو تھوڑی سی عقل و توجہ سے مدد دی جائے تو وہ فقر و فاقہ کے دن غیر معمولی صبر و تحمل سے گذار دیتی ہے، اگرچہ بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو نمائش اور فیاضی کے لئے اپنے شوہروں کو ناجائز ذرائع سے روپیہ حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہیں، لیکن اس حالت میں میں اس عورت سے زیادہ خود اس مرد کو لعنت ملامت کرتا ہوں جس نے اپنی عورت کی اطاعت کی،

بہرحال ان واقعات کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورت معمولی مصائب سے زیادہ سخت مصائب پر صبر کر سکتی ہے، اور وہ کانٹے کی چبھن سے زیادہ تلوار کی سخت ضرب کو برداشت کر سکتی ہے،

مجھ سے ایک انگلش لیڈی نے بیان کیا کہ "جو عورتیں پبلک دفتروں مثلاً ڈاک خانہ اور تار گھر میں کام کرتی ہیں اکثر انگریز اُن کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ اُن میں صبر و برداشت اور شگفتہ مزاجی کا مادہ اکثر مردوں سے کم پایا جاتا ہے بالخصوص وہ لیڈیوں کے ساتھ تو نہایت روکھائی کے ساتھ پیش آتی ہیں، بنک گھر کا بھی یہی حال ہے کہ جو مرد ملازم ہوتے ہیں وہ لیڈیوں کی خدمت عورتوں سے زیادہ صبر و تحمل کے ساتھ کرتے ہیں"

عورتوں میں خلط مبحث کا جو عام مادہ پایا جاتا ہے وہ بھی اُن کی قوت عمل میں رُکاوٹ پیدا کرتا ہے، عورت فطرۃً رنگ آمیزی اور طوالت بیانی کی طرف مائل ہوتی ہے، اُس کو کوئی چیز اپنی معمولی صورت میں بہت کم نظر آتی ہے، اسی طرح وہ اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قریب کا راستہ بہت کم اختیار کرتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ "ایسی عورت تم کو بہت کم ملے گی، جو بغیر شرح و تفسیر کے "بس" کہے، یا بغیر ایک طویل لکچر دئے ہوئے اُس کی زبان سے "ہاں" یا "نہیں" نکلے،

ضد اور ہٹ

فرنچ مصنف مونتائن کہتا ہے کہ "مجھے سیکڑوں عورتوں کا حال معلوم ہے جن کو تم گرم لوہے کے چھوانے پر آمادہ کر سکتے ہو، لیکن غصّے کی حالت میں جو کچھ اُن کی زبان سے نکل جائیگا، اُس کا بدل دینا تمہارے امکان میں نہ ہوگا"

اس قسم کی اور بھی بہت سی ضرب المثلیں ہیں مثلاً ایک فرنچ مثل ہے

کہ "جو شخص عورت کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، وہ اینٹ کو سفید بنانا چاہتا ہے"
لیکن استقلال ضد کا نام نہیں ہے، بلکہ آدمی جسقدر ضعیف الاخلاق ہوتا ہے
اُسی قدر ضدی ہوتا ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ "ضد کمزوروں کا استقلال ہے"
بہر حال عورت اپنی بات سے بمشکل پھر سکتی ہے، اپنی غلطی کا بمشکل اعتراف کرسکتی
ہے، اور بہت کم یہ کہہ سکتی ہے کہ "میں نے غلطی کی" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ عورت کے ارادہ کا ظہور اکثر ضد ہی کی صورت میں ہوتا ہے، ایک مثل ہے کہ
"عورت جس چیز کو چاہتی ہے اُسی کو خدا بھی چاہتا ہے" اور غالباً اس کا مطلب
بھی یہی ہے، لیکن عمدہ تربیت کے ذریعہ سے عورت کے اس اخلاق کی اصلاح
کرنی چاہیئے، تاکہ وہ جذبات و خواہشات کا آماجگاہ نہ بن جائے، بلکہ اُس کو اپنے
ارادہ اور عمل پر قابو حاصل ہو۔

گیارھویں فصل

عورت کا انجام

تربیت کی اصلی غرض یہ ہے کہ جس شخص کی تربیت مقصود ہو اُس کی فطری قوتوں کو اس طریقہ سے نشو و نما دی جائے کہ اُس کے وجود کا اصل مقصد آسانی سے حاصل ہو سکے، اس لئے ہم کو سب سے پہلے اُس مقصد کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے جس کو عورت حاصل کرنا چاہتی ہے، تاکہ ہم اُس کی تربیت کے لئے ایک عمدہ روش قائم کر سکیں،

عورت کے وجود کا مقصد

ہم نے گذشتہ فصلوں میں عورت کے اخلاق و عادات پر جو بحث کی ہے، اُس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے اور عقل اس سوال کا جو فوری جواب دے سکتی ہے، اور جس کے ساتھ فلسفہ صحیحہ بھی ہم آہنگ ہے، وہ یہ ہے کہ عورت صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ مرد کی شریک زندگی رہے میڈم دی استال کہتی ہیں کہ "جو لوگ لڑکی کی تربیت کے ذمہ دار ہیں اُن کو یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ وہ اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ کسی نہ کسی دن مرد کی رفیق بنے" اس لئے

اُس کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ وہ بی بی اور ماں ہو اور تربیت کا فرض صرف اسقدر ہے کہ وہ اُس کو اس قابل بنا دے تاکہ وہ اپنے متعینہ راستے پر چل سکے اور اپنے فرض کو اچھی طرح انجام دے سکے، یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی راحت اور سعادت کی حفاظت کرسکتی ہے،

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، جو باوجود اپنی سادگی کے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد ہے، جب تک یہ مقصد پیش پا افتادہ مضمون کی طرح ہمیشہ تربیت کا نصب العین نہ رہیگا تربیت کی اصلی غرض حاصل نہ ہوگی ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات سے اس امر کی توفیق کا خواستگار ہوں کہ نئی نئی رایوں کی تلاش کے شوق میں اس اصولی مقصد کا سررشتہ میرے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، کیونکہ میں اُن لوگوں میں ہوں جن کا قول یہ ہے کہ مرد کی زندگی کا مقصد نکاح کرنا اور باپ بننا ہے، بلکہ جو شخص اس مردانہ فرض کے ادا کرنے سے باز رہتا ہے میں اُس کو تقریباً مجرم خیال کرتا ہوں لیکن جب مرد کے متعلق میرا یہ خیال ہے تو جو لوگ عورتوں کی نسبت بھی یہی رائے رکھتے ہیں مجھ کو اُن کا پیشرو بننا چاہئے، بے شبہ میرا یہی اعتقاد ہے اور میں صرف اسقدر رکھتا ہوں کہ عورت کی زندگی کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اگر اُس کے امکان میں ہو تو وہ نکاح کرے، نکاح کے بعد اولاد پیدا کرے، اور اُن کو تربیت دے، اگر کسی عورت کو اس کا موقع حاصل ہو، لیکن وہ اس سے اعراض کرے، تو ہم کو دل سے اُس کی حالت پر افسوس اور رحم کرنا چاہئے لیکن ہم کو اس اصولی مقصد کی تحدید کرنی چاہئے، اور یہ بتانا چاہئے کہ اُس کا تحفظ کس حد تک کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ وہ باوجود صحیح ہونے کے حقیقت کے ایک ہی رُخ کو نمایاں کرتا ہے، اس لئے کہ خاندان کی تعمیر میں مرد اور عورت دونوں کی شرکت ایک لازمی چیز ہے اور یہ صرف عورت ہی کے فرائض میں داخل نہیں ہے اور درحقیقت

جہاں تک واقع کا تعلق ہے، بہت سی عورتیں غیر منکوحہ ہوتی ہیں، بہت سی عورتوں کو نکاح کے بعد ماں بننے کا شرف حاصل نہیں ہوتا، اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو کر اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ تنہائی میں بسر کرتی ہیں، یہ تمام باتیں لازمی ہیں اور جس موضوع پر ہم بحث کر رہے ہیں، اُس میں ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ایک دوسری حیثیت سے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عورت کو نکاح اور فرائض مادرانہ کی حقیقت کے معلوم کرنیکا موقع حاصل ہے، تو کیا اس کے ساتھ وہ انسانیت کے بنیادی لوازم خواص میں بھی شریک ہو سکتی ہے؟ مرد اور عورت دونوں نوع انسانی کا ایک جزو ہیں اور اُن میں مردانہ اور زنانہ اوصاف سے مقدم تر خود انسانیت کا وصف ہے، کیونکہ ایک مرد شوہر یا باپ بننے سے پیشتر انسان ہوتا ہے، اس لئے اُس کو مردانہ وصف سے پہلے انسانی وصف کا لحاظ رکھنا چاہئے، اسی طرح عورت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مخصوص جنسی اوصاف سے پہلے انسانی صفات کی جستجو کرے، یہ دو نقطۂ بحث ہیں اور ہم کسی قدر دقت نظری کے ساتھ ان پر غور کرتے ہیں،

(۱) عورت کی بے نکاحی زندگی

نکاح اگرچہ عورت کی سب سے بڑی سعادت ہے، لیکن یہ سعادت اُس کو ہمیشہ نصیب نہیں ہوتی، وہ اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ کنوارپن میں بسر کرتی ہے، کبھی کبھی اُس کو عُمر بھر غیر منکوحہ رہنا پڑتا ہے، وہ نکاح کے بعد بیوہ بھی ہو جاتی ہے، اور یہ تمام حالات جن اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں جن پر ہمارا کوئی بس نہیں چل سکتا، تو ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ عورت صرف بی بی اور ماں بننے کے لئے پیدا کی گئی ہے تو کیا یہ قرین انصاف ہوگا؟ کیا اس کے سوا عورت کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اس معاملے میں عورت کی حالت مرد کی حالت سے مختلف ہے؟ کیا ایک

غیر منکوحہ عورت ایک غیر شادی شدہ مرد سے زیادہ اپنے مقصدِ زندگی کا غلط استعمال کرتی ہے!

مرد اکثر اِن پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح کیے ہوئے اور بغیر باپ بنے ہوئے اُن کی زندگی مکمل ہو سکتی ہے، بلکہ بعض لوگ یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ اہلِ فن، اہلِ علم اور اہلِ عمل کے لئے بے نکاحی زندگی بہت زیادہ موزوں ہے، لیکن میرے نزدیک یہ خیالات بالکل غلط ہیں، کیونکہ جس شخص کو رنج و مسرت سے متمتع ہونے کا موقع نہیں ملا اُس کو مکمل مرد نہیں کہا جا سکتا، خود علمی اور نکاحی زندگی میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے، اگرچہ بعض اہلِ فن نے وہمی آزادی کی ہوس میں بے نکاحی زندگی کو ترجیح دی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بے نکاحی زندگی کی غلامی نکاحی زندگی کی غلامی سے کچھ کم نہیں ہے، اکثر مشاہیر علما اور مدبرینِ سیاست شوہر اور باپ تھے لیکن خاندانی معاشرت نے اُن کے اہم فرائض میں کوئی تعویق نہیں پیدا کی، اس معاملے میں مرد اور عورت کو کیونکر الگ کیا جا سکتا ہے؟ جو لوگ علم اور سیاست کے قابل ہیں، اُن میں عورت کے ساتھ بہترین زندگی بسر کرنے کی بھی قابلیت ہے، اور جو لوگ علم اور سیاست کی اہلیت نہیں رکھتے اُن میں عورت کے ساتھ بہترین زندگی بسر کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی،

میں نے اوپر کہا ہے کہ مرد کو اپنے فرائض کے ساتھ جس قدر تعلق ہوتا ہے، عورت کو اپنے مخصوص فرائض سے اُس سے بہت زیادہ تعلق ہے، لیکن یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ میں نے اس موقع پر اپنے اس قول کو بھلا دیا ہے، خود اِسی فرق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو عورت پر بہت زیادہ ظلم نہیں کرنا چاہئے، اور فطرت نے اُس کو جو نقصان پہنچایا ہے اُس کو ایک بڑی مصیبت خیال کرنا چاہئے، اگر ہم اس معاملے میں مرد کو عورت پر ترجیح دیں تو کیا یہ قرینِ انصاف ہوگا؟ اگر ہم مرد کے لئے بے نکاحی

زندگی کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، تو ہم عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنے لئے بھی ایک خوشگوار زندگی کا انتخاب کرے؟ اگر کنوارپن میں کوئی خوبی ہے، تو مرد اپنا یہ حق عورتوں کو کیوں نہیں دیتے؟ مرد کہتا ہے کہ بقائے نوعِ انسانی کے لئے عورت کا نکاح ایک ضروری چیز ہے؟ لیکن کیا اُس نے یہ بھلا دیا ہے کہ اس معاملے میں مرد اور عورت کی حالت فطرۃً یکساں ہے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں جس فریق کو اپنے فرائض کے یاد دلانے کی زیادہ ضرورت ہے، وہ مرد ہی ہے،

ہم جس سبب کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ عورت کو مرد سے زیادہ نکاح کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے اُس کو اپنی زندگی مذہبی طور پر وقف کر دینی چاہیئے، وہ صرف یہ ہے، کہ ہم کو موجودہ حالات میں تربیت اور عادت کے اثر سے عورت اپنی معاش و کفالت میں مرد کی محتاج نظر آتی ہے، اگر یہی بات تمام عورتوں کی سمجھ میں بھی آ جائے تو مسئلہ نسوانی نہایت آسان طریقہ پر حل ہو سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعض عورتیں نکاح نہیں کرتیں، جن کے مختلف اسباب ہیں، لیکن غالباً ان میں سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ مرد اُن سے نکاح کرنے کی خواہش نہیں کرتے،

عورتوں کی تربیت میں اِس کے لئے خاص طور پر احتیاط برتنی چاہئیے، کیونکہ اگر اُن کو نکاح کے لئے تیار نہ کیا جائیگا، تو وہ دوسروں کے سر کا بوجھ ہو جائینگی، لیکن اگر مرد اس سے بے پروائی کرے گا، اور عورتوں کو اُن عارضی حالات (مثلاً بیوگی وغیرہ) کے مقابلے کے لئے تیار نہ کرے گا جو عورتوں کو پیش آجایا کرتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ وہ اُن کو ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اور مصیبت کے اوقات میں اُن کو ذرائع معاش سے بالکل نہتھا کرنا چاہتا ہے،

روزانہ مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو مجبوراً اپنی ذات پہ بھروسا

کرنا پڑتا ہے، اُن کی تعداد کم نہیں ہے، بہت سی بیوہ عورتیں ہیں جن کو خود اپنے اولاد کی تربیت، اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کرنی پڑتی ہے، اور ان تمام واقعات کی بنا پر ہم کو بلا تذبذب یہ کہنا پڑتا ہے کہ عورت میں ان حالات کے مقابلے کی اہلیت پیدا کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی حالت کو سنبھال سکے،

جو شخص مسئلہ نسوانی پر انصاف کے ساتھ غور کریگا، اُس کو یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن نظر آئیگی، اور اسی طریقہ سے عورت کو استقلال ذاتی کے ایک حصّے سے بہرہ اندوز کیا جاسکتا ہے، جس سے غیر منکوحہ بلکہ منکوحہ عورتیں بھی اپنے درجے کو بلند کرسکتی ہیں، لیکن اس استقلال سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ عورت نکاح کو ایک حقیر چیز سمجھنے لگے، بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اس طریقہ سے عورت اپنی عقل اور اپنے جذبات کے مطابق نکاح کا فیصلہ کرنے کے قابل ہوجائے، اور جب تک اُس کے مزاج کے موافق شوہر نہ مل سکے نکاح کا انتظار کرسکے، جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے دُنیا میں کوئی منصف مزاج شخص ایسا نہ ہوگا جو تربیت نسواں کی اصلاح کا حامی نہ ہو،

(۲) خصائص انسانی میں عورت کی شرکت مرد کے ساتھ

لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورت کی زندگی کا پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ نکاح کرنے اور ماں بننے کے لئے تیار کی جائے لیکن یہ نہیں تسلیم کرتے کہ اُس کی زندگی کا مقصد صرف یہی ہے،

گذشتہ فصلوں سے ثابت ہوچکا ہے کہ قوائے فطریہ کے مظاہر اگرچہ مرد اور عورت دونوں میں مختلف ہوتے ہیں، لیکن مردوں میں جو قوتیں موجود ہیں وہ سب کی سب عورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں، اور اس حیثیت سے دونوں میں جو فرق ہے وہ عارضی ہے حقیقی نہیں ہے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورت مردوں کی طرح ہر حیثیت سے

رُوحانی ترقی کی صلاحیت رکھتی ہے، اور چونکہ دونوں کی تربیت اور طرز زندگی کے اصولی قواعد ایک ہی ہیں، اس لئے ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مرد جن نہروں کا پانی پیتا ہے، اور جن لذتوں سے متمتع ہوتا ہے، عورت کو بھی بحیثیت انسان کے اُن سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہے، اِس لئے ہم کو اُن کے بہترین خصائل کو مضبوط بنانا چاہئے، اور بُرے جذبات کی اصلاح کرنی چاہئے،

اولاً تو عورت کے ذاتی مصالح کا یہی اقتضا ہے، دوسرے خاندان بلکہ مصالح انسانی بھی اسی کی مقتضی ہیں، فنلون کہتا ہے "کیا گھر کی آبادی اور گھر کی ویرانی عورتوں پر موقوف نہیں ہے؟ بلکہ کیا گھر کی سلطنت کا انتظام اُن کا کام نہیں ہے؟ اگر نکاحی زندگی تلخ ہو جائے تو مرد کو عیش وراحت کی کیا توقع ہو سکتی ہے، بلکہ اولاد کا جو کل مرد بننے والی ہے، کیا حال ہوگا؟ اگر اُن کی ماؤں نے اُن کی طرف کافی توجہ نہ کی"

ان تمام اسباب کی بنا پر جہاں تک ممکن ہو عورت کی عزت اور سعادت کی حفاظت کے لئے اُن کو مہذب بنانا چاہئے، اگر حالات مساعدت کریں تو اُن کو بی بی اور ماں بننے کے لئے تیار کرنا چاہئے، لیکن اگر حالات مساعدت نہیں کرتے تو اُس کو تنہا عمل کے لئے کھڑا کرنا چاہئے، اِس لئے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اُس کو عقلمند اور صاحب الرائے بنائیں، موجودہ حالت میں عورت میں جو طبعی ضعف پایا جاتا ہے اُس کو دلیل قرار دے کر اس قسم کی عمدہ ترتیب سے اُس کو محروم نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ہم کو اور ہمارے ساتھ خود عورت کو اُس کے زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے،

بارھویں فصل

عورت کا انجام

عورت کی حالت میں کیا کیا اصلاحات ہوسکتی ہیں

اخیر چند سالوں میں تحریک نسوانی نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کرلی ہے لیکن اب تک اس تحریک میں بعض پیچیدگیاں موجود ہیں، اور اب تک اس مسئلہ پر اتفاق آراء نہیں ہوا ہے، اس لئے ہم کو نہایت تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کرنی چاہئے،

اس تحریک نے موجودہ دور میں نہایت اہمیت اور وسعت حاصل کرلی ہے، اور صرف عورتیں ہی نہیں بلکہ متعدد ذی رُتبہ مرد بھی اُس کو چلا رہے ہیں، اِس لئے اب اُس کو نظر انداز کردینا ہمارے امکان میں نہیں ہے، اور ہم ذیل میں دو بڑے فلاسفروں یعنی جان اسٹوارٹ مل اور سکرٹیان کی رائے تفصیل کیساتھ درج کرتے ہیں؛

جان اسٹوارٹ مل کے خیالات

مل نے "عورتوں کی غلامی" کے نام سے ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے، جس میں یہ دکھایا ہے کہ آج تمام متمدن حکومتوں میں تمدنی اور سیاسی قانون کے رو سے عورت کو مردوں کا جو غلام بنا دیا گیا ہے، وہ ایک صریح ظلم ہے،

مل کے نزدیک اس غلامی کی کوئی معقول اخلاقی وجہ نہیں ہے، بلکہ عورت کی موجودہ حالت صرف دور گذشتہ کی تاریخ، اور مرد کی جسمانی قوت کے تفوق کا نتیجہ ہے، اور اُس کے نزدیک اس مرض مزمن کا علاج صرف یہ ہے کہ مرد اور عورت میں عام مساوات قائم کر دی جائے، اور اس مساوات کے ساتھ دونوں سیاسی میدان میں بھی مساوی نظر آئیں، یعنی عورت کو بھی مردوں کی طرح ووٹ اور نمائندگی کا حق حاصل ہو،

مل کے خیالات کی تفصیل سے پہلے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ اُس کی زندگی پر اُس کی بی بی کا کس قدر اثر تھا؟ مل نے ایک نادرۂ روزگار بی بی پائی تھی جو اُس کی ذات پر نہایت اثر رکھتی تھی اور اُسی کے ایماء سے اُس نے علی الاعلان حقوق نسوان کا مطالبہ کیا اور عورت کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا، مل ایک نہایت عقلمند اور با وقار شخص تھا، لیکن اس جذبہ سے متاثر ہو کر اُس نے اس معاملہ میں نہایت مبالغہ آمیز رائے قائم کی ہے، اور اس حیثیت سے اُس کی رائے غور و فکر کی مستحق ہے،

مل کو اس معاملہ میں ایک عام انقلاب کی توقع ہے جس کے ساتھ عورت کی حالت سدھر جائیگی، مختلف طبقات کے درمیان جو حد فاصل قائم تھی آج انسان نے اُس دیوار کو گرا دیا ہے، اس بنا پر مل کا خیال ہے کہ وہ زمانہ قریب آرہا ہے،

جس میں عورت اس غلامی سے آزاد ہو جائیگی، مِل کے نزدیک عورت کی غلامی سخت ترین غلامی ہے، کیونکہ ایک آقا کو صرف اپنے غلام کے جسم پر اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن مرد نے عورت کے جسم ہی تک غلامی کو محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اُس کی رُوح، اُس کے دماغ اور اُس کے جذبات کو بھی غلام بنا لیا ہے، اس لئے ایک عام اجتماعی انقلاب کی ضرورت ہے جو عورت اور مرد کو اُن فرائض میں مساوی الرتبہ کر دے، جو صرف عورت کے لئے مخصوص کر لئے گئے تھے، عیسائیوں کے نزدیک خدا کی نگاہ میں تمام انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ عورت پر اسقدر وحشیانہ مظالم کیوں کرتے ہیں؟ مِل کے نزدیک مرد نے عورت کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اُس کے تین ۳ دور ہیں،

(۱) دَورِ غلامی و استعباد،

(۲) دَورِ لطف و مراعات،

(۳) دَورِ عدل و انصاف،

مِل کو اس سے انکار نہیں ہے کہ بہت سے خوش قسمت میاں بی بی ایسے ہیں جو اپنی حالت سے مسرور اور خوش ہیں، اور اُن میں باہم عدل و احترام قائم ہے، لیکن ان کو دوسرے لوگوں کی متاہلانہ زندگی کی بدبختیوں کا اس بنا پر انکار نہیں کرنا چاہتا ہے، کہ خود اُن کو اس کا تجربہ نہیں، مرد نے عورت کو جس طرح اپنا مطیع بنا لیا ہے، اور جس طرح اُس کے مال و جائداد پر قبضہ کر لیا ہے، اُس سے بڑے بڑے نقصانات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد عورت کو خود اپنی جان و مال کا مالک ہونا چاہئے اسی طرح نکاح سے اُس کے اقتدار اور درجہ میں کوئی فرق نہیں آنا چاہئے۔

لیکن اگر میاں بیوی صاحب جائداد نہ ہوں، اور گھر کے مصارف کا دار مدار

مقررہ تنخواہ یا مقررہ آمدنی پر ہو تو اسوقت تقسیم عمل کی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مرد گھر سے باہر روزی پیدا کرے، اور عورت گھر کے کاروبار اور گھر کے تدبیر انتظام میں مصروف رہے، وہ فرائض مادرانہ کے ساتھ اس طریقہ سے کسی قدر مرد کے بوجھ کو بھی ہلکا کر سکتی ہے، لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ خود معاش پیدا کرنے پر مجبور ہے، تو یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ وہ اپنی آمدنی مرد کے حوالے کر دے، تاکہ وہ اُس کو شراب خانے میں جا کر اڑا آئے،

آج اکثر یہی دیکھا جاتا ہے، اور یہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ مرد نے خود تمام سیاسی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیئے ہیں، اور خود اپنے موافق قانون بناتے ہیں لیکن جن قوانین کا عورتوں کی ذات سے تعلق ہے وہ صرف اُسی وقت عادلانہ ہو سکتے ہیں جب عورت بھی اُس کے بنانے میں شریک ہو، یہی وجہ ہے کہ مل کے نزدیک اس مصیبت سے اُسی وقت نجات مل سکتی ہے، جب عورت کو دونوں قسم کے انتخاب کا حق حاصل ہو یعنی یہ کہ وہ ممبروں کا انتخاب بھی کر سکے، اور خود ممبر بھی منتخب ہو سکے،

سکرٹیان کی رائے

سکرٹیان نے بھی اسی قسم کے اسباب سے اسی قسم کی رائے قائم کی ہے، وہ کہتا ہے کہ "تنہا مردوں نے جو قانون بنایا ہے، وہ بیوی کو لونڈی اور محتاج لڑکی کو اسباب بنا دیتا ہے" اس مصیبت کا علاج صرف یہ ہے کہ وضع قانون میں عورت بھی مردوں کی شریک کار ہو، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اہل قانون کے مقاصد کتنے ہی عمدہ ہوں لیکن جب تک عورت حق انتخاب سے محروم رہے گی اپنی مطلوبہ آزادی نہیں حاصل کر سکتی، واقعہ یہ ہے کہ جنس غالب (مرد) نے آج تک عورت کو بچے پیدا کرنے کی [illegible]

ذریعہ خیال کیا ہے، اور اُس کو ایک تفریحی مشغلہ کی حیثیت دے رکھی ہے، قانون کے رو سے بی بی کا صرف یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جان و مال کی رسد مردوں کے لئے مہیا کرتی رہے، اور محتاج لڑکی کا یہ کام ہے کہ وہ موت کے درمیان یا بھوک، یا ناجائز پیشے کو اختیار کرے اسی طرح مرد کا کام اُس کو بہکانا اور اُس کی آبرو ریزی کرنا ہے، کتنے ہی مطالبات کئے جائیں، لیکن اس معاملے میں اُسی وقت حقیقی اصلاح ہو سکتی ہے، جب عورت کو ووٹ کا حق عطا کیا جائے، آجتک یہ نہیں سُنا گیا کہ کسی صاحب حق نے اپنے حقوق خود چھوڑ دئے ہوں"۔

اس مسئلہ پر نقد و بحث

لیکن یہ مسئلہ اسقدر سادہ نہیں ہے، بلکہ اُس میں سخت پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں؛ اور اُس میں مختلف موثرات شامل ہو گئے ہیں جن کا لحاظ کرنا لازمی ہے، مسئلہ حقوق نسوانی کو ہم مسئلہ نظام تمدن سے جس پر تمام نظام اجتماعی کی بنیاد قائم ہے، الگ نہیں کر سکتے اس لئے افراط و تفریط سے الگ ہو کر ہم کو اس موضوع پر کافی غور و فکر کے ساتھ بحث کرنی چاہئے،

یہ مسلم ہے کہ جن عورتوں کا نکاح خوشگوار صورت اختیار کر لیتا ہے، اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اُن کو اپنے حالت کے متعلق کوئی شکایت نہیں پیدا ہوتی، اس حالت میں وہ بخوشی اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں، اور اپنی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی کی خواستگار نہیں ہوتیں، کیونکہ اُن کو فطرۃً معلوم ہو جاتا ہے کہ دُنیا کے طبعی نظام کا یہی اقتضا ہے، مل بھی اس کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تمام عورتوں کو بہترین شوہروں سے نکاح کرنے کا اتفاق ہو جائے تو اُنکی دردانگیز شکایت بہانے کے قانون تک نہ پہنچ گیا، اور اخلاقی اور اقتصادی دونوں حیثیتوں سے

مسئلہ نسوانی کا نام ونشان مٹ جائیگا، کیونکہ باہمی عزت اور محبت کی وجہ سے اخلاقی طور پر ظلم واستبداد کا خوف باقی نہ رہیگا اور اقتصادی حیثیت سے اگر میاں بیوی دولتمند ہونگے تو اپنی آمدنیوں کو ملا جُلا کر باہم صرف کرینگے، اور اگر معمولی طبقہ سے تعلق رکھتے ہونگے تو شوہر کمائیگا اور بیوی گھر کا انتظام کرے گی، فطرت کا ناقابل انکار اقتضا بھی یہی ہے کہ مرد خاندانی ضروریات کے لئے کام کاج کرکے معاش پیدا کرے، اور بیوی عقل وحکمت کے ساتھ گھر کا انتظام، اور کافی توجہ کے ساتھ بچوں کی تربیت کرے،

لیکن اگر وہ معاش پیدا کرنے پر بھی مجبور ہوگئی تو یہ خاندان کی ایک بہت بڑی مصیبت ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اُس کا کام اُس کے تمام اوقات کو صرف کرے، اور اُس کو اپنی اولاد کو چھوڑ دینا پڑے یہ مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس لئے اس حالت کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہے، اسی طرح چند اور عورتیں بھی ہیں جن کے معاملے میں کافی اہتمام درکار ہے، یعنی وہ عورتیں جن پر اُن کے شوہر ظلم کرتے ہیں، اور وہ اپنی حمایت نہیں کرسکتیں، وہ لڑکیاں جو محتاج ہیں، وہ یتیم لڑکیاں جن کا کوئی وارث اور پُرسان حال نہیں، وہ غریب بیوہ عورتیں جن کو اُن کی فاقہ زدہ اولاد گھیرے رہتی ہے، وہ عورت جس کا شوہر کسی وجہ سے اپاہج ہوگیا ہے، اور اُس کو خود اپنے خاندان کی کفالت کرنا پڑتی ہے سخت توجہ کی محتاج ہیں، اور انھی سے نسوانی مشکلات کا مسئلہ پیدا ہوا ہے: اگر ہم ان مشکلات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ اصولاً تین اسباب سے پیدا ہوتی ہیں،

(۱) جبری کنوارپن جس کے ذریعہ سے بہت سی نوجوان عورتوں کو نکاح سے باز رکھا جاتا ہے،

(۲) ناگوار شادی، جو ایک عورت کو ایک ظالم اور سنگدل شوہر کے سپرد کردیتی ہے

(۳) فقر وفاقہ کی حالت میں شادی، اور ایسی حالت میں بیوی کا خود معاش پیدا کرنا...

سنبھال نہیں سکتی،

میرا اصلی اعتقاد یہ ہے کہ اگر ان مصائب کا خاتمہ کر دیا جائے تو ان کے ساتھ تمام نسوانی مشکلات کا بھی خاتمہ ہو جائیگا اس لئے اس راہ میں جو قدم آگے بڑھایا جائیگا، وہ اس معمّے کے حل کرنے کا ایک ذریعہ ہوگا، اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ان حالات کے اصلاح کی کیا کیا صورتیں ہیں؟ اور اس کے متعلق جو کچھ کیا گیا ہے وہ کس حد تک مکمل ہو چکا ہے؟ اور کس حد تک اُس کے تکمیل کی ضرورت ہے؟

اصلاح تعلیم نسوان

عورت کا پہلا علاج بلکہ تمام علاجوں کا اصلی سنگِ بنیاد تعلیم ہے، اور وہ صرف تعلیم ہی کے ذریعہ سے اپنی مطلوبہ اخلاقی مساوات حاصل کر سکتی ہے، اور خوش قسمتی سے دورِ جدید بالخصوص اخیر چند سالوں میں تعلیم نسواں میں نمایاں ترقی ہوئی ہے، اور لڑکیوں کی تعلیم نے اسقدر وسعت حاصل کر لی ہے، کہ اس نسل کی لڑکیوں اور اُن کی ماؤں اور دادیوں کے درمیان عظیم الشان فرق پیدا ہو گیا ہے، گذشتہ زمانے میں بھی اگرچہ متعدد عورتوں نے علم و ادب میں کمال کا درجہ حاصل کر لیا تھا، لیکن ان مستثنیٰ مثالوں کے علاوہ عام طور پر تمام عورتیں سخت جہالت میں مبتلا تھیں، اور اس حیثیت سے ادنیٰ طبقہ، متوسط طبقہ، بلکہ اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں بھی کوئی نمایاں فرق نہ تھا اس زمانے میں عورت کے لئے جیسا کہ ایک مشہور ظریفانہ ناول میں ہے صرف اس قدر جان لینا کافی تھا کہ اُس کو کیونکر نماز پڑھنی چاہئے، کیونکر محبت کرنی چاہئے، کیونکر سینا چاہئے، اور کیونکر کاتنا چاہئے، لیکن آج تمام یورپین ممالک میں لڑکیوں کی تعلیم کا عام رواج ہو گیا ہے، فرانس میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے یکساں طور پر ابتدائی تعلیم لازمی اور مُفت کر دی گئی ہے، سکنڈری تعلیم کا بھی عام رواج

ہے اور اس مقصد کے لئے کثرت سے سرکاری اور غیر سرکاری مدارس قائم ہیں، اعلیٰ تعلیم کی چار شاخیں ہیں یعنی اخلاق، سائنس وفلسفہ، طب اور قانون اور نوجوان لڑکیاں ان چاروں شاخوں کی تعلیم حاصل کرسکتی ہیں، امتحان اور داخلے کے قواعد بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے ایک ہیں، اور ان میں باہم کوئی فرق نہیں، اٹلی کا بھی یہی حال ہے، اور اس نے اس معاملے میں فرانس کی طرح لڑکوں اور لڑکیوں میں عام مساوات قائم کردی ہے، جرمنی اور اسٹریا میں بے شبہ نوجوان لڑکیوں کے لئے یونیورسٹیوں کے دروازے بند ہیں، لیکن انگلستان میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مخصوص مدارس قائم ہیں، مثلاً لندن میں طب کی تعلیم کے لئے ایک مخصوص مدرسہ قائم ہے، اور یونیورسٹیوں نے بھی لڑکیوں کو اپنی کلاسوں میں داخل کرلیا ہے، البتہ آکسفورڈ اور کیمرج نے اب تک اُن کو قانونی طور پر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے،

یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں اس میدان میں تمام حکومتوں سے آگے ہیں، مثلاً ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، بلجیم، سویڈن اور ناروے میں اعلیٰ تعلیم لڑکیوں کے لئے بالکل عام ہے، الغرض دور جدید کی اجتماعی تاریخ میں یہ ترقی عظیم الشان اہمیت رکھتی ہے، اور جن ملکوں نے اب تک اس میں ترقی نہیں کی ہے، اُن کو بھی لازمی طور پر اس میں حصہ لینا پڑے گا،

تعلیم روحانی اور مادی دونوں حیثیتوں سے عورت کی بدبختی کا بہترین علاج ہے، لیکن اگر ہم نے اعلیٰ تعلیم سے عورتوں کو کافی طور پر فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ دیا تو صرف یہ تعلیم اُن کے لئے کافی نہ ہوگی، بلکہ جب تک علم وعمل میں ارتباط نہ قائم کیا جائے اُسوقت تک تعلیم ایک مضر چیز ہے، اس لئے ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ عورتوں کو کن کن پیشوں اور کن کن کاموں میں حصہ لینے کی اجازت دیجاسکتی ہے،

عورت کے لئے مختلف کاموں کی اجازت

میرے خیال میں جس حد تک نظام خاندانی میں اَبتری پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو عورت کے لئے تمام کاموں کو جائز کر دینا چاہئے، لیکن مردوں کا ایک عظیم الشان گروہ اس معاملے میں متذبذب ہے، اُن کو صرف یہی ڈر نہیں ہے، کہ حصول معاش کے ذرائع میں اُن کا ایک نیا رقیب پیدا ہو جائیگا بلکہ اس سے زیادہ اُن کو اس بات کا خوف ہے کہ اس طریقے سے عورت کی اخلاقی لطافت بالکل فنا ہو جائیگی، لیکن عورت کے اخلاق کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اُس کے لحاظ سے میرے نزدیک یہ خوف بالکل بے بُنیاد چیز ہے، بلکہ میرے خیال میں اس طریقہ سے عورت جو استقلال حاصل کرے گی اُس سے صرف اُسی کو فائدہ نہ حاصل ہو گا، بلکہ وہ اپنے خاندان کو بھی فائدہ پہنچائیگی، سوسائٹی کے مرّوجہ اخلاق کو بھی ترّقی دے گی، اور مرد کی روش زندگی میں تغیر پیدا کر کے اُس میں اپنے موافق اصلاح بھی کرالے گی، اگر مجھ کو اس معاملے میں خاندان کے لئے معمولی خطرہ کا بھی گمان ہوتا تو میں پُوری طاقت کے ساتھ اس کی مخالفت کرتا، لیکن میں اس کے بالکل برعکس اس سے خاندانی عظمت کی توقع کرتا ہوں، کیونکہ اس کے ذریعہ سے عورت اُن دو حالتوں کے اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوگی جو یکساں طور پر بدنما ہیں۔ یعنی غلامی اور عیش پسندی کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا اور عورت اپنے سرپرست کی غلام یا زیب و زینت کا ذریعہ باقی نہ رہے گی، اگر عورت مجبوری کی حالت میں حصول معاش کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرے تو اس سے نکاح، خاندان اور سوسائٹی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا لیکن اسی کے ساتھ عورت کو ایسے پیشے اختیار کرنے چاہئیں، جو اُس کی طبیعت اور اُس کے مزاج کے موافق ہوں، اور اُس سے صفات نسوانی مثلاً خوش طبعی اور لطیف المزاجی کو کوئی صدمہ نہ پہنچے،

بہت سے کام ایسے ہیں جو صرف مردوں کے لئے مخصوص ہیں، اور بعض عیش پسند اور نازک مزاج عورتیں خود اپنی بہنوں کو اس اکھاڑے میں اُتارنا نہیں چاہتیں، ایک لیڈی کہتی ہے کہ "عورت اس لئے بنائی گئی ہے کہ نیچے سے اوپر تک دیکھی جائے اور سب سے پہلے وہ عورت ہو، لیکن یہ نہایت بدنما بات ہے کہ وہ خود اوپر سے نیچے کو دیکھے اور مرد کی محافظ بنے" اور اُس کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر عورت اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی کفالت پر مجبور نہیں ہے، تب بھی اُس کو اپنی کفاست کی ضرورت ہے۔ اس لئے اگر وہ مجبوراً کوئی پیشہ اختیار کرتی ہے تو اُس کو ملامت نہیں کی جاسکتی، البتہ وہ لوگ بے شبہ قابل ملامت ہیں، جو عورتوں سے کام لیتے ہیں تو ناکافی اور حقیر معاوضے کے بدلے میں اُس کی صحت اور قوت کو بالکل نچوڑ لیتے ہیں، خلاصہ یہ کہ عورت کے لئے تمام پیشوں کی اجازت دیدینی چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ اُن کو اپنے ملازم رکھنے والوں کے ظلم واستبداد سے بھی محفوظ رکھنا چاہئے، اور اُن کے اجتماعی فرائض کو صدمہ نہ پہنچنے دینا چاہئے،

مختلف پیشوں کی تعلیم

عموماً پیشے تمام لوگوں کے لئے جائز ہوتے ہیں، البتہ چند پیشے مثلاً ڈاکٹری اور وکالت وغیرہ کے لئے خاص شرائط ہیں اور اُن کے لئے خاص اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، قانونی حیثیت سے عورت ہر پیشہ اختیار کرسکتی ہے، اور اس معاملے میں مرد کے لئے جو شرائط ہیں وہی اُس کے لئے بھی ہیں، لیکن اس اجازت کو بالکل بے بنیاد نہیں ہونا چاہئے، بلکہ عورتوں کے لئے صنعتی تربیت کے تمام دروازے کھولدینے چاہئیں، یورپ میں بکثرت مدارس قائم ہیں جن میں عورتوں کو مناسب صنعتوں مثلاً طبابت، تصویرکشی، باغبانی، گھڑی سازی، اور فوٹوگرافی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی

ہے، اور اس میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے،

طبیب یا ڈاکٹر عورت

مرد چند وہمی اور ضعیف دلائل کی بنا پر عورت کو بعض پیشوں سے محروم رکھنا چاہتا ہے، چنانچہ جب سے عورتیں طبابت اور ڈاکٹری میں داخل ہونے لگی ہیں، ایک سخت نزاع قائم ہو گئی ہے، اور بہت سے لوگ اُس کو عورت کی قابلیت کے دائرہ سے باہر سمجھتے ہیں، لیکن میرے خیال میں اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے، یہ سچ ہے کہ طبی علوم کی مشکلات کے لئے بہت زیادہ استقلال اور دلیری کی ضرورت ہے، لیکن تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ عورت کے بس سے باہر نہیں ہے، اگر عورت طبابت یا ڈاکٹری کے فرائض کو انجام دے، بالخصوص اگر اپنی توجہ کو عورتوں اور بچوں کی طرف مبذول کرے تو اس میں کوئی حقیقی رکاوٹ خلل انداز نہیں ہو سکتی، بہتر تو یہی ہے کہ عورت اس پیشے کو ہاتھ نہ لگائے، لیکن اگر وہ اس پیشے کے اختیار کرنے پر مجبور ہے، تو ہم اُس کے اس ذریعہ معاش میں کیونکر رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں؟ جب وہ ڈاک خانہ، تار گھر اور ریلوے میں ملازمت کر سکتی ہے، تو ہم کس حق سے اُس کو ڈاکٹری کرنے نہیں دیتے؟ ایک معترض کہہ سکتا ہے، کہ عورت رات کو اپنے گھر سے نکل کر بہ مشکل ایک مریض کو دیکھ سکتی ہے، زمانہ وضع حمل کے قریب بہ مشکل علاج کر سکتی ہے، اس قسم کے اور بھی بہت سے قوی اسباب ہیں جن کی بنا پر عورت یہ فرض انجام نہیں دے سکتی، لیکن ایک متمدن عورت، جب رات اور دن دونوں میں سوسائٹیوں اور جلسوں میں شریک ہو سکتی ہے، اور اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، تو وہ کیوں ایک مفید مشغلے کو اختیار نہیں کر سکتی؟

بہر حال واقعہ جو کچھ بھی ہو، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عورت بعض امراض

اور بعض اشخاص کا علاج مرد سے بہتر کرسکتی ہے،

(۱۳) پبلک کام

پبلک کاموں سے وہ کام مراد ہیں جو خدمتگذاری قوم کے لئے کئے جاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، جن میں اگرچہ بمشکل فرق کیا جا سکتا ہے، تاہم ان دونوں کے فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے یعنی ایک تو وہ اعلیٰ درجہ کے کام ہیں، جن کے کرنے والے سیاسی اقتدار رکھتے ہیں، دوسرے وہ کام ہیں، جن کے کرنے والے کوئی قابل ذکر اقتدار نہیں رکھتے، اس قسم کے چھوٹے چھوٹے کام تو عورتیں مدت سے کررہی ہیں لیکن بعض مستثنیٰ اشخاص کے سوا اب تک اُن کو کسی ایسے کام کرنے کا موقع نہیں ملا ہے جس میں حکومت کا اقتدار شامل ہو، لیکن دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت اس میدان کو بھی ایک نہ ایک دن ضرور فتح کریگی، وہ ولایات متحدہ کے بعض صوبوں میں آج بھی جج کی کرسی پر ممتاز نظر آتی ہے، اور مختلف ملکوں میں بہت سے سیاسی، انتظامی اور قانونی فرائض انجام دیتی ہے،

اس انقلاب کے ساتھ ہم کو قانونی حیثیت سے بھی عورتوں کے اقتدار میں وسعت پیدا کرنی چاہئے تاکہ وہ شوہر کی اعانت کے بغیر بھی قانونی فرائض کو انجام دے سکے، میرے خیال میں استقلال ذاتی ہی ایک ایسی چیز ہے، جو نسوانی شرف کا بہترین معلم ہوسکتا ہے، اعداد و شمار سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن قوموں نے عورتوں کی آزادی میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں، ان میں اخلاقی خرابیاں بہت زیادہ پیدا ہوگئی ہیں، اور بچوں کی ولادت کم ہوگئی ہے۔

تیرھویں فصل

عورت کا انجام

مسئلہ حقوق سیاسی

عورتوں کے متعلق یہ مسئلہ غالباً تمام مسائل سے زیادہ بحث طلب ہے، ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ عورتوں کے لئے تمام پیشے جائز کر دینے چاہئیں، اُن کے لئے مخصوص صنعتی مدارس کھولنے چاہئیں، اور علوم و فنون، اور مذہب و اخلاق کے چشموں سے اُن کو سیراب ہونے دینا چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ عورتوں کے سامنے جو نئے دروازے کھولے گئے ہیں اُن میں وہ دفعتہً داخل نہ ہوں بلکہ آہستہ آہستہ اُن کے اندر قدم رکھیں، کیونکہ بہترین اصلاح وہی ہوتی ہے جس کی تکمیل تدریجی طور پر ہو، میرے خیال میں جان اسٹوارٹ مل کی مقدم الذکر کتاب کا وہ حصہ سب سے بہتر ہے، جس میں اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ جب عورت کو کامل زندگی کے بسر کرنے کا موقع دیا جائیگا اور وہ ایک خاص قسم کی لغزشوں سے محفوظ رہنے کے علاوہ اور بھی متعدد فضائل کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی

اُسوقت اپنی حالت، اپنی عزت اور اپنی عظمت کے متعلق اُس کا کیا احساس ہوگا؟

جول بیان کہتا ہے کہ "ہم عورتوں کے معاملے میں عادۃً پہلے تو انکار سے کام لیتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ اُن کے مقاصد کو پُورا کرتے ہیں لیکن ہم کو اُن کے تمام مطالبات منظور کر لینے چاہئیں، البتہ اگر وہ مرد بننے کی خواہش کریں تو ہم اس خواہش کو پُورا نہیں کر سکتے، کیونکہ اس میں ہماری بھی بدنصیبی ہے اور خود عورتوں کی بھی" لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ کونسی حد ہے جس سے آگے بڑھ کر عورت مردانہ خصوصیات حاصل کرے گی؟ اس معاملہ میں حقوق سیاسی کی کیا حالت ہے؟ ہم اس سوال کا کوئی ایسا جامع جواب نہیں دے سکتے جو تمام قوموں پر منطبق ہو سکے، تمام قومیں مزاج، رسم اور مدارج ترقی کے لحاظ سے مختلف حالتیں رکھتی ہیں اور جو چیز ایک قوم کے لئے موزون ہے وہ یقینی طور پر دوسری قوم کے لئے موزون نہیں ہو سکتی، البتہ جہانتک ہم فرانسیسیوں کا تعلق ہے، ابھی میرے نزدیک اس انقلاب کا وقت نہیں آیا، میرے خیال میں اس کی ابتدائی قسط اس طرح ادا ہونی چاہئے کہ سب سے پہلے منکوحہ عورت کو ایک ایسا انتظامی استقلال بخشا جائے کہ وہ شوہر کی اسقدر غلام نہ رہ سکے جو اُس کی شخصیت کو بالکل فنا اور اُس کے ہاتھوں کو بالکل شل کر دیتا ہے، اسی طرح لڑکی بالخصوص محتاج لڑکی کو بھی تمام خطرات سے محفوظ رکھنا چاہئے، لیکن تحریک نسوانی کے بعض لیڈروں کا دعویٰ یہ ہے کہ منکوحہ اور غیر منکوحہ دونوں قسم کی عورتوں کی اصلاح کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اُن کو انتخاب کا حق دیا جائے تاکہ اُن کو قانون میں ترمیم کرنے کا اقتدار حاصل ہو اور وہ اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق بنا سکیں، لیکن جیسا کہ اکثر مطالبہ کیا جاتا ہے اگر ہم یہ حق صرف کنواری اور بیوہ عورتوں کو دیدیں تو منکوحہ عورت کے متعلق یہ ایک قسم کی بے انصافی ہوگی، کیونکہ اس معاملے میں انصافاً منکوحہ اور غیر منکوحہ عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن اگر ہم منکوحہ عورت کو بھی

یہ حق عطا کریں تو تعلقات زناشوئی میں ضعف پیدا ہوجائے گا اور اتحاد خاندانی کی بنیادیں ہل جائینگی، حالانکہ عورت اور قوم دونوں کی مصلحتیں ان تعلقات اور اس اتحاد کو مضبوط کرنا چاہتی ہیں۔ سب سے زیادہ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے کہ اگر عورت کے سامنے یہ دروازہ کھول دیا جائے تو کیا اُس کو کوئی حقیقی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر عورت اپنے گھر کو چھوڑ کر سیاسی کشمکش کے میدان میں اُتر آئے، تو اُس کی تمام شادابی، چمک، اور رونق بلکہ خود اُس کی سعادتمندی کا خاتمہ ہوجائیگا۔ عورت صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے زیر حمایت رہے، اور اُس کے رنج وغم میں شریک ہو، بہت سی روشن خیال عورتیں بھی اسکو محسوس کرتی ہیں، وہ نہ صرف اس صورت میں تحریک نسوانی کی تائید نہیں کرتیں بلکہ بعض مخالفت کرتی ہیں، لیکن بعض عورتیں اس کا یہ جواب دیتی ہیں کہ "ہم کو خود یہ یقین ہے کہ مردوں کے ساتھ ہماری یہ مساوات ہماری لچک، ہماری خوش طبعی، اور ہماری شگفتہ مزاجی کو کسی قدر صدمہ پہنچائیگی، لیکن ہم بخوشی اس قیمت کو دے کر اپنی آزادی اور اپنا استقلال خریدنا چاہتے ہیں، یہ خود ہمارا معاملہ ہے کسی دوسرے کا معاملہ نہیں" لیکن اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ صرف عورتوں ہی کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا، اگر اس کو صرف عورتوں ہی کے مصالح سے تعلق ہوتا تو ہم کو اس میں رکاوٹ پیدا کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا، بلکہ عورت اپنی پسند کے مطابق خود ایک روش اختیار کرسکتی تھی، لیکن اس کو عام اجتماعی مصالح سے بھی تعلق ہے، اور وہ اُس کی بہبود کو صدمہ پہنچاتا ہے۔

غالباً عورت کی اس بیباکانہ دلیری سے بھی اُسی خطرہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جو مردوں کی بے لگام جرأت سے پیدا ہُوا، تجربہ سے ثابت ہُوا ہے اور روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے کہ انتخاب عام کے سسٹم سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں،

بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ قوم نے کامل طور پر سیاسی اصلاح نہیں کی ہے، اور اُس اصلاح کے لئے ابھی ایک طویل مدت درکار ہے یہ نظام بُرائیوں کا سرچشمہ ثابت ہوتا ہے، لیکن باوجود ایک طویل تجربہ کے جب مرد اس میدان میں گمراہ نظر آتا ہے، تو عورت جو ابھی اس کوچے سے بالکل نابلد ہے کیونکر اس میدان میں کامیاب ہو سکتی ہے؟ اسپنسر کا خیال ہے کہ اگر عورت کو سیاسی اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے قدیم رجعت پسند پارٹی کو مضبوط کر دے گی، اور اُس حکومت کی تائید کرے گی جو نمائش اور تقلید پرستی کی طرف مائل ہے، مَیں اگرچہ اس خیال سے متفق نہیں ہوں تاہم مجھ کو اس کے ساتھ یہ خوف ضرور ہے کہ عورت کے قالب میں کئی پُشتوں کے بعد عدل و انصاف کی رُوح پیدا ہو سکے گی، اور آج خود مردوں میں بھی ہم اس کی کمی محسوس کر رہے ہیں،

ظن غالب تو یہ ہے کہ جب عورت کو ووٹ دینے کا حق مل جائیگا تو وہ اُس مرد کو اپنا رہنما بنائیگی جس کی وہ عزّت اور محبّت کرتی ہے، اور اس طرح اُس کے ووٹ کے موافق ووٹ دیگی، لیکن اگر عورتوں نے مردوں کی مخالفت پر ایکا کر لیا، اور اپنے شوہروں، اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کی مخالف ہو گئیں تو یہ کس قدر بدنما منظر ہوگا؟ اور وہ جماعت کس قدر بدبخت ہوگی جو اس دوزخ میں گرے گی؟

میڈم دی ریموزا کہتی ہیں کہ جب ہم اجتماعی امور میں حرکت پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو اُس میں اَبتری اور بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے" بے شبہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ عورتوں کی ووٹنگ ہماری مصیبتوں میں کوئی کمی نہ کر سکے گی بلکہ اُن کو اور بھی بڑھا کر اضعافاً مضاعفہ کر دے گی لیکن میرا یہ خیال موجودہ دور تک محدود ہے مستقبل کے متعلق میری کوئی یقینی رائے نہیں ہے، ممکن ہے کہ زمانہ میرے گذشتہ فیصلے کو بدل دے اس لئے ہم کو صرف انتظار کرنا چاہیئے، فوری انقلاب اور فوری اصلاح

کی جو خرابیاں ہیں ان کو ہم نے مردوں میں دیکھ لیا ہے، اس لئے عورتوں کے معاملے میں بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے،

اگرچہ شورش فرانس کا ایک لیڈر یہ کہتا ہے کہ تربیت سیاسی کے متعلق ہم کو مردوں کے عجز وقصور کا اعتراف کرنا چاہئے، اب تک وہ عہد طفولیت میں ہے، اور عورتیں تو ہمیشہ روشن دماغی میں مردوں سے کم رتبہ رہینگی، اس کے علاوہ ان کا قدرتی میلان بے اعتدالی کی طرف ہوتا ہے، اور سیاسی مسائل میں اس بے اعتدالی کا انجام نہایت خطرناک ہوتا ہے" آج بھی یہ تخمینی فقرے استعمال کئے جا سکتے ہیں، سیاسی شورش پسندی کے جو موثرات ہم کو گمراہ کر رہے ہیں، کیا ان میں ایک اور موثر کا اضافہ قرین عقل ہو سکتا ہے؟

ایک طویل زمانے کے بعد جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں اس فیصلہ میں تغیر ہو سکتا ہے لیکن موجودہ حالت میں ہمارے سامنے اصلاح کی جو ضروری اور مناسب تجویزیں پیش ہیں، وہ موجودہ نسل بلکہ آئندہ نسل کی مشغولیت کے لئے بالکل کافی ہیں،

میری اصلی غرض کیا ہے؟ کیا میں اس کو ظاہر کروں؟ میرا اصلی خیال تو یہ ہے کہ سیاسی حقوق ترقی کا راستہ نہیں ہیں، لیکن میرے الفاظ کے غلط معنے سمجھنے نہیں چاہئیں، جو لوگ مرد اور عورت کے درمیان اخلاقی مساوات کے خواستگار ہیں، یعنی عزت، شان، اور تہذیب میں دونوں کو یکساں سمجھتے ہیں، میں ان کا پیشرو ہوں، اس لئے جب تک عورت اپنی فطرت سے یہ سمجھتی رہیگی کہ وہ سب سے پہلے بیوی اور ماں بننے کے لئے پیدا کی گئی ہے، جس طرح وہ خانگی سلطنت کی ملکہ ہے، اس وقت تک مقبول ہے، اور اس کو اس سلطنت کا انتظام اس طرح کرنا چاہئے کہ اس کے اوپر سعادت، محبت، امانت اور دیانت کا چشمہ جاری ہو جائے اس وقت تک میرے نزدیک اس مساوات میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

انسان کے اعلیٰ ترین نمونے کا اقتضاء یہ ہے کہ مرد اور عورت کے فرائض کی علیحدگی کے ساتھ دونوں میں نہایت مضبوط تعلقات قائم رہنے چاہئیں، صرف وحشی قوموں میں دونوں کی حالت یکساں نظر آتی ہے۔ لیکن انسان جس قدر تمدنی ترقی کرتا جاتا ہے، دونوں جنسیں ایک دوسرے سے الگ ہوتی جاتی ہیں، اور دونوں کے الگ الگ فرائض متعین ہوتے جاتے ہیں۔ ترقی انسانی کا یہی راستہ ہے، اور عورت بھی درحقیقت اسی راستے کو تلاش کرتی ہے، اس لئے متاہلانہ اور غیر متاہلانہ دونوں قسم کی زندگی میں ہم کو ہر ممکن ذرائع سے عادلانہ طور پر عورت کی حالت کو بہتر بنانا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہم کو یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اُس کی سعادتمندی کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اتحادِ خاندانی کے قائم کرنے میں ہم اُس کی مدد کریں۔ آزادی کی جو غیر معتدل رَو اس دور کے لوگوں میں پھیل گئی ہے، ہم کو اس سے ڈرنا چاہئے، یہ غیر معتدل آزادی نظامِ خاندانی کو دھمکی دے رہی ہے، اور خاندان کے افراد میں باہم جو پاک تعلقات قائم ہیں، اُن کو فنا کر رہی ہے، ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ خاندانی اتحاد اور اُس کا باہمی تعلق ہر اجتماعی سعادتمندی کا سنگِ بنیاد ہے، اور اُس کے مان لینے کے بعد ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیاسی معاملات میں خاندان کی طرف سے صرف مرد کی قائم مقامی کافی ہے، اس لئے عورت کو چاہئے کہ جنگ اور سیاست کا میدان صرف مرد کے حوالے کر دے، اور خود مرہم پٹی کرنے، اور دردوُکھ کے دور کرنے میں مصروف رہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہمارے فرائض کو انجام دے سکتی ہے، لیکن جب تک ہم اُس کے فطری فرائض کو انجام نہ دیکھیں اُس کی مردانہ قابلیت کو کوئی اہمیت نہیں حاصل ہوسکتی، اگر عورت کو اپنے وطن کی خدمت کا شوق ہے تو وہ تربیت کے ذریعہ سے ملک کی خدمت کیلئے صالح اولاد پیدا کر سکتی ہے، اور اُنکو فرض، امانت اور قربانی کا مفہوم سمجھا سکتی ہے، یہ ایک ایسا طریقہ ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنا فرض کیسی اچھی طرح ادا کر سکتی ہے، اور ملک بھی سعادتمندی اور ترقی کا حصہ پا سکتا ہے۔

اوّل اوّل تمام قوموں میں نظام مادرانہ قائم ہُوا، پھر بتدریج ترقی ہوتی رہی یہانتک کہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں عورتوں نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا، لیکن اس تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس موقع پر ہم صرف اسقدر بتانا چاہتے ہیں کہ دَور جدید میں اس تحریک نے کس قدر ترقی کی؟ یعنی شورش فرانس کے زمانے سے آج تک اس تحریک کی کیا حالت رہی؟

اس مدت کو دو حصوں پر منقسم کردینا مناسب ہوگا، جن میں ایک حصہ یورپین جنگ سے پیشتر ۱۷۸۹ء سے ۱۹۱۴ء کے زمانے تک کو شامل ہے، اور دوسرا حصہ ۱۹۱۴ء سے شروع ہوکر ۱۹۱۸ء تک جنگ کے چار سال کے زمانے کو شامل ہوجاتا ہے،

۱۷۸۹ء سے ۱۹۱۴ء تک

فرانس شورش فرانس نے جس نے ہر قدیم چیز کی بُنیاد منہدم کردی، اگرچہ ضمناً مرد اور عورت کی مساوات کو بھی تسلیم کیا تاہم ووٹ دینے کا حق اُس نے بھی مردوں کے لئے مخصوص کردیا، لیکن اسی زمانے میں بہت سی تعلیم یافتہ عورتوں نے عام مساوات کا دعویٰ کیا جن میں لیڈی اولامپ دی جاج نے "مردوں کے اعلان حقوق" کی طرح "عورتوں کے حقوق کے اعلان" کا بھی مطالبہ کیا اور اس تحریک میں بہت سے مرد اور بہت سی عورتوں نے حصہ لیا، اس مقصد کے لئے انجمنیں قائم ہوئیں لیکچر دیئے گئے، اور پبلک جلسے ہوئے، لیکن چند ہی دنوں کے بعد یہ آگ بُجھ گئی یہانتک کہ جب نپولین نے مصر سے پلٹ کر شخصی حکومت قائم کی تو فرانس میں اس تحریک کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا، لیکن ۱۸۴۸ء میں جب جمہوریت کا دوسری مرتبہ اعلان کیا گیا تو یہ تحریک دوبارہ زندہ ہوگئی اور اس کے متعلق عملی کوششوں کا آغاز ہوا،

لیکن ۱۸۵۲ء میں جب اس جمہوریت کا زمانہ گذر گیا تو یہ تحریک بھی سرد ہو گئی، تیسری یعنی موجودہ جمہوریت میں اگرچہ عورتوں نے کافی اہمیت حاصل کر لی ہے، اور اُن کے سامنے متعدد جدید دروازے کھول دیئے گئے ہیں تاہم اُن کو سیاسی ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

انگلستان انگلستان میں عورتوں کے سیاسی حقوق کی تاریخ ۱۷۹۰ء سے شروع ہوتی ہے، جس میں سب سے پہلے ماری وسٹونکرافٹ نے عورتوں کے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا، اور جان اسٹوارٹ مل نے نہایت زور شور سے عورتوں کی تائید کی، چنانچہ اُس نے دارالعوام کے ممبر کی حیثیت سے ۱۸۶۶ء میں ایک موریل پیش کیا جس پر ۱۴۹۹ عورتوں نے سیاسی آزادی کے مطالبے کے لئے اپنے دستخط ثبت کئے، لیکن پارلیمنٹ نے اس مطالبہ کو نامنظور کر دیا، دیگر ممبران نے بھی مل کی تائید کی اور اُس کو جزئی کامیابی بھی حاصل ہوئی یعنی ۱۸۶۹ء میں عورتوں کو میونسپلٹی کے متعلق ووٹ دینے کا حق مل گیا، اسی زمانے سے انگریزی عورتوں کے اقتدار میں وسعت شروع ہوئی، چنانچہ اُن کو ۱۸۷۰ء میں اسکول بورڈ کا ممبر ہونے اور ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا، ۱۸۷۵ء میں بورڈس آف گارجین کے انتخاب میں اُن کو ووٹ دینے کا مجاز کیا گیا اور ۱۸۹۱ء میں اُن کو صوبوں کی کونسلوں میں ووٹ دینے کی اجازت دی گئی، ۱۸۹۴ء سے وہ بورڈس آف گارجین کی ممبر ہو سکتی ہیں [illegible] اُن کو صوبوں کی کونسلوں کی ممبری کا حق حاصل ہے، لیکن عورتوں کو اس ترقی پر قناعت نہیں ہے، بلکہ وہ پارلیمنٹ کی ممبری و انتخاب کا حق بھی حاصل کرنا چاہتی ہیں، اس مسئلہ کے متعلق متعدد بار مطالبات کئے جا چکے ہیں، بالخصوص ۱۸۷۰ء، ۱۸۸۰ء [illegible] اور [illegible] میں [illegible] کامیابی حاصل ہوتے ہوتے رہ گئی انگلستان میں [illegible]

ہوگئی ہیں، ایک پارٹی پُرامن طریقہ سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے، اور دوسری پارٹی جبر، تشدّد، اور مظاہرہ کو اپنے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنانا چاہتی ہے اور یہی پارٹی ہے جس کو سفریجٹ کے نام سے پُکارا جاتا ہے، بہرحال حالت جو کچھ بھی ہو، لیکن قبل از جنگ عورتوں کی انجمنوں میں چھ لاکھ سے زیادہ عورتیں شامل تھیں،

انگریزی نوآبادیاں انگلستان نے اپنی رعایا میں اگرچہ جنس لطیف کو پارلیمنٹ کی ممبری کا حق انتخاب نہیں دیا، تاہم اس میدان میں انگلستان کی نوآبادیاں اُس سے بہت آگے بڑھ گئیں، بالخصوص اسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کو اس معاملے میں خاص تقدم حاصل ہے، چنانچہ ۱۹۰۷ء تک ان دونوں مُلکوں میں عورتوں کو تمام سیاسی حقوق حاصل ہو چکے تھے، اور سب سے اخیر میں پارلیمنٹ کی ممبری اور انتخاب کا حق بھی حاصل ہوگیا،

اسکنڈی نیویا اسکنڈینوین ممالک نے تمام مُلکوں سے پہلے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا، مثلاً سویڈن میں نہایت قدیم زمانے سے صاحب جائداد عورتوں کو مقامی مجالس میں سیاسی رسوخ حاصل تھا، چنانچہ جو عورتیں کم از کم سال میں سات سو فرنک ٹکس ادا کرتی تھیں، اُن کو ۱۸۶۲ء میں میونسپلٹی کے انتخاب کا حق حاصل ہوا، پھر ۱۹۰۹ء میں بلا تفریق و امتیاز عموماً تمام عورتوں کو یہ حق حاصل ہوگیا، لیکن اس کے ساتھ عورتوں کو انتخاب پارلیمنٹ کا حق نہیں حاصل ہوا، اور ڈنمارک کی بھی یہی حالت رہی،

فینلنڈ اور ناروے میں عورتوں نے جنگ سے کئی سال پہلے میونسپلٹی وغیرہ کے علاوہ کونسلوں کی ممبری اور انتخاب کا حق بھی حاصل کرلیا تھا،

ولایات متحدہ ولایات متحدہ کے جدید اور قدیم صوبوں میں اس حیثیت سے نمایاں

فرق نظر آتا ہے، ولایات شرقیہ میں عورتوں کو نہایت معمولی کامیابیاں حاصل ہوئیں مثلاً اٹھارہ صوبوں میں اُن کو اسکول بورڈ میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا تین صوبوں میں تعین ٹکس کے متعلق اُن کو ووٹ دینے کا مجاز کیا گیا لیکن میونسپلٹیوں اور کونسلوں میں وہ اس حق سے محروم رہیں،

لیکن ولایات غربیہ میں جدید خیالات نے نہایت وسعت کے ساتھ نشو و نما اور اشاعت حاصل کی، چنانچہ ۱۸۶۹ء سے صوبہ یومنج کالیفورنیا، ارنیرونا، کنزاس، اوریقون، ھفادا، مونتانا نے ۱۹۱۴ء میں اسی کی تقلید کی ہے،

اسٹریا اور جرمنی یہ سلطنتیں اس معاملے میں سکنڈ نیویں اور سکسن سلطنتوں سے پیچھے ہیں، چنانچہ جرمنی میں ایک محدود دائرہ میں محدود شرائط کے ساتھ عورتوں کو صرف میونسپلٹی کے انتخاب کا حق حاصل ہے، اور یہی حالت اسٹریا کی بھی ہے،

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک

یورپین جنگ نے تحریک نسوانی میں غیر معمولی سرعت پیدا کردی، اور عورتوں کو تھوڑی سی مدت میں اسقدر حقوق حاصل ہوگئے جن کو وہ ایک طویل زمانے میں بھی حاصل نہ کر سکی تھیں، چنانچہ انگلستان میں قدامت پسند لوگوں کی چھوٹی سی جماعت کو چھوڑ کر تمام سوشلسٹ اور لبرل جماعتوں نے عورتوں کی حمایت کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں نے دوران جنگ میں جو عظیم الشان خدمتیں انجام دی تھیں اُن کا بہترین معاوضہ انگریزوں نے سیاسی حقوق کو خیال کیا، اور تمام بڑے بڑے انگریزی اخبارات مثلاً ٹائمز اور ڈیلی میل وغیرہ نے اس پروپگنڈا کو پھیلانا شروع کیا، چنانچہ نومبر ۱۹۱۶ء میں پارلیمنٹ میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ "ہر عورت کو جو ۳۰ سال کی ہو اس شرط کے ساتھ حق انتخاب دیا جائے

کہ اُس کی شادی ایسے شخص کے ساتھ ہوئی ہو جس کو انتخاب کا حق حاصل ہو، اور خود اُس عورت کو میونسپلٹی کے انتخاب کا حق مل چکا ہو، یا اُس کو کوئی علمی ڈگری حاصل ہو اگرچہ بعض کنسرویٹو لوگوں نے ہاؤس آف لارڈ میں اس کی مخالفت کی، تاہم اکثریت اسی مطالبہ کو حاصل ہوگئی اور وہ ایک قانون بن گیا جس کے ذریعہ سے ۶۰۰۰۰۰ انگریزی عورتوں نے کامل سیاسی حقوق حاصل کرلئے،

روس جو جدید ترین ڈیموکریٹک سلطنت ہے، اُسنے دفعتہً عورتوں کو تمام بندشوں سے آزاد کردیا، اور اُس کو مختلف کونسلوں میں حق ممبری اور حق انتخاب دیدیا لیکن اسکے پہلے روسی عورت کو صرف میونسپلٹی کے انتخابات میں تھوڑا سا حق حاصل تھا،

جنگ کے بعد ولایات متحدہ میں عورتوں کا معاملہ بہت ترقی کرگیا اور جن صوبوں نے عورتوں کو سیاسی حقوق دیئے تھے اُن کی تعداد بڑھ گئی، نیویارک تحریک نسوانی کی مخالفت کا سب سے بڑا مرکز تھا، لیکن اس معاملے میں عورتوں کو وہاں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی، کنیڈا کے متعدد صوبوں میں بھی عورتوں کو حق انتخاب حاصل ہُوا،

جو عورتیں ایک معیّن ٹکس ادا کرتی تھیں اُن کو خاص کامیابی ہوئی اور اُن کو ووٹ دینے کا حق مل گیا، توقع ہے کہ اس حق میں اور بھی وسعت حاصل ہوگی جو یہ کامیابی اُنہی ممالک تک محدود نہیں رہی جو شریک جنگ تھے، بلکہ ۱۹۱۵ء میں ڈنمارک کی عورتوں نے بھی اپنے حقوق حاصل کرلئے، اسی طرح عورتوں کو ہالینڈ کی پارلیمنٹ میں بھی داخل ہونے کی اجازت دی گئی، لیکن اُن کو ووٹ دینے کا حق نہیں دیا گیا۔

فرانس نے اگرچہ عورتوں کو سیاسی انتخاب کا حق نہیں دیا، تاہم وہاں تحریک نسوانی کو روز بروز قوت حاصل ہو رہی ہے، اس لئے امید ہے کہ عورتوں کو کم از کم میونسپلٹی اور صوبوں کی کونسلوں کے انتخاب کا حق حاصل ہو جائیگا +

حقیر ناچیز محمد حیات کاتب   امین آبادی، ۲۰ر جولائی ۱۹۱۹ء

سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات زندگی میں ایک جامع اور مفصل کتاب ایسے دردانگیز واقعات سے پُر ہے۔ جس کے مطالعہ سے روتے روتے ہچکی بندھجاتی ہے، بنت الرسولؐ کے حالات ہر ایک شریف عورت کے پڑھنے کے قابل ہیں۔ جن سے عبادت خدا، محبت خلق، ایثار سلیقہ، ہمدردی بنی نوع انسان، سخاوت، تربیت اولاد، خدمت والدین، اطاعت شوہر، کفایت شعاری وغیرہ کے ہزاروں مفید سبق ہماری مستورات سیکھ سکتی ہیں، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے تفصیلی سطحی خاکے۔ اور آپ کا شجرہ نسب کتاب کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے، جنت البقیع، مسجد بیت الحزن۔ آپ کے مزار مقدس پر برقی روشنی کا نظارہ، مشہد امام حسینؑ، جامع سیدنا حسینؑ، جامع اموی کا اندرونی محراب اور دیگر کئی فوٹو کی تصویریں خرچ کثیر سے تیار کرا کر کتاب کے ساتھ لگادی گئی ہیں، ہندوستان کے تمام چوٹی کے شاعروں کی نظمیں اس کتاب کے لئے خاص طور سے حاصل کی گئی ہیں۔ جس سے کتاب کی خوبی دوچند ہوگئی ہے، ولایتی کاغذ، ولائیتی طرز کی جلد جس پر مصنف کا نام روپہلی حروف میں کندہ ہے، حجم تین سو صفحہ۔

قیمت مجلد (تین روپے) بلا جلد (عبہ) علاوہ محصولڈاک

سیرۃ الکبریٰ یعنی سوانحعمری اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، نتیجہ طبع سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی، جن کی تالیفات بیاد تعریف کی محتاج نہیں۔ آپ کے مزار پُر انوار کا فوٹو کتاب کے شروع میں لگا ہوا ہے ولائیتی کپڑے کی خوشنما جلد ہے۔ قیمت مجلد (عہ) بلا جلد عہ علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ: منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین پنجاب

سیرۃ شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام

آپ کے حالات زندگی شہادت و واقعات کربلا کی مفصل و مبسوط تاریخ ہے جس میں آپکے مزار مقدس کے علاوہ دیگر شہیدان معرکہ کربلا کے مزارات کے فوٹو و تصاویر بھی ہیں کے قریب ہیں، دو رنگوں سے چھپا ہوا سرورق اور ولایتی جلد نے کتاب کی ظاہری صورت کو بھی نہایت دلفریب بنا دیا ہے، مولانا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی اکبر آبادی کا زور قلم کربلا کا بیان اور مولانا کی زبان ولایتی کاغذ پر چھپی ہے جلد پر کتاب اور مصنف کا نام سنہری حروف میں کندہ ہے۔ قیمت باوجود ان خوبیوں کے مجلد (عہ۱) بلا جلد (عہ۱)

سیرۃ حضرت بلالؓ

یہ اُس حبشی غلام کے حالات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثر صحبت سے اس درجہ تک پہنچا جس کے حضور میں لاکھوں بندگان خدا کا سر رہے ہیں۔ زمیندار مرحوم کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سید وجاہت حسین صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے مولانا نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بجز منصوب نمبروں کے کتاب کا یک حرف نہیں لکھا شہر دمشق کا ایک مفصل سطحی خاکہ جہاں آپکا مزار پُر انوار واقع ہے اور نیز مزار کا فوٹو کتاب کے ساتھ ہے، ولایتی کاغذ اور ولایتی کپڑے کی جلد ہے۔ جلد پر کتاب کا نام سنہری حروف میں ہے قیمت مجلد عہ، بلا جلد عہ

حیاتِ سعدی

آج دنیا کا کوئی ان پڑھ آدمی بھی حضرت شیخ مصلح الدین شیرازی کے نام اور کام سے واقف نہیں۔ ان کی گلستان، بوستان اُن کے لئے بقائے دوام کی عزت حاصل کر چکی ہیں آپکے حالات ہر ایک مرد و عورت، بچے بوڑھے کے پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل ہیں۔ قیمت فی جلد آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ: منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین پنجاب

امریکہ (۱۲) ایک خاتون معرفت ایڈیٹر صاحب صُوفی (۱۳) ملک محمد اکرم خانصاحب
دار پنڈی بہاؤالدین (۱۴) بابو معراجدین صاحب کلارک لوکو سپرنٹنڈنٹ آفس یوگنڈا
یے کلیبڈائن ممباسہ (۱۵) پسران ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی مشترک نام سے (۱۶)
عبدالستار صاحب جنرل مرچنٹ لنڈاخ (۱۷) ڈاکٹر عبدالواحد صاحب پ پور ڈسپنسری
پی نگر کشمیر (۱۸) باغ دین صاحب یوبا یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۱۹) نور الدین صاحب
ک امریکہ (۲۰) فوجدار خانصاحب براڈرک امریکہ (۲۱) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر
فی (۲۲) پیر بخش ولد فیض محمد صاحب براڈرک یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۲۳) سردار
عبداللہ خانصاحب بہادر لوکل انسپکٹر آفیسرآف اکونٹس بصرہ (۲۴) مولانا محمد محی الدین
ب ریٹائرڈ چیف جسٹس ہائیکورٹ دکن حال دہلی (۲۵) ڈاکٹر عبدالرشید صاحب
ن الرشید جنگومیاں صاحب ایچ۔ ایم۔ بی۔ بلگام والہ۔ ہوبلی ڈہاروار (۲۶) نور محمد عبداللہ
ب لکھنا سوئی ہوس میمن واڑہ روڈ بمبئی ۳ (۲۷) اہلیہ خانصاحب نصیر احمد خانصاحب
ت تحصیلدار صاحب موگہ (۲۸) صدیق احمد خانصاحب ایچ۔ پی۔ یو معرفت تحصیلدار
صب موگہ (۲۹) مولوی محمد حسین صاحب خوشنویس عاد لگڈھ ضلع گوجرانوالہ (۳۰)
وہاب بیگ صاحب سپروائزر جی۔ آئی۔ پی ریلوے بھوساول (۳۱) بیگم صاحبہ
صبزادہ آباد احمد خانصاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آفتاب منزل علیگڈھ (۳۲)
نواب علی خاں صاحب ٹھیکہ دار نامپلی دیوی باغ حیدرآباد دکن (۳۳) محمد خان
انی صاحب براڈرک امریکہ (۳۴) جناب محمد ابراہیم صاحب کا کانرنی آنریری مجسٹریٹ
پور خاص سندھ (۳۵) مہر الدین صاحب ولد بارو بخش صاحب براڈرک امریکہ
(۳۶) جلال الدین خانصاحب میریا سولا کیلی فورنیا امریکہ (۳۷) جلال الدین خانصاحب
یا سولا کیلی فورنیا امریکہ (۳۸) محمد عظیم شتی صاحب منگلا۔ ری اسٹیٹ دار جیلنگ
(۳۹) حاجی محی الدین صاحب کچھراپورہ کا مٹی (۴۰) مولوی محمد حسین صاحب کیلی فورنیا امریکہ

(۴۱) احمد محی الدین صاحب ولد محمد عثمان صاحب محرر رجسٹری کنسٹر ضلع اورنگ آباد
دکن (۴۲) علی محمد صاحب ولد یعقوب علی صاحب موضع آموwal ضلع جالندھر (۴۳)
فتح دین صاحب براڈرک امریکہ (۴۴) خان غلام سرور خانصاحب ہیڈ کنسٹیبل تھانہ
کھالڑہ ضلع لاہور (۴۵) چوہدری محمد عبداللہ خانصاحب گڈس سپروائزر بغداد
(۴۶) منشی بوٹے خانصاحب ہیڈ کنسٹبل تھانہ کھالڑہ ضلع لاہور (۴۷) پیر بخش صاحب
براڈرک امریکہ (۴۸) ڈاکٹر شیخ محمد اسحاق صاحب سینئر سب اسسٹنٹ سرجن (ری
ٹائرڈ) ساگر چھاؤنی (۴۹) بابو ولی محمد خانصاحب آئل ڈلیوری کلرک آئل گودام
جنرل سٹور مغل پورہ لاہور (۵۰) مرزا شاہ محمد صاحب چک ۹۵ جنوبی ڈاک خانہ
کوٹ مومن ضلع شاہ پور (۵۱) ولی محمد صاحب ولد یعقوب علی صاحب موضع بہری پور
ڈاک خانہ کوٹ بادل خاں ضلع جالندھر (۵۲) مرزا ظفر حسین صاحب چک ۹۵ جنوبی
تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۵۳) خانصاحب مولوی ڈاکٹر امام علی خانصاحب
سب اسسٹنٹ سرجن محمد پور ضلع اعظم گڈھ (۵۴) عنایت خانصاحب سیکرے
منٹو کیلی فورنیا امریکہ (۵۵) منشی غلام نبی صاحب نظامی ہیڈ کنسٹبل ریلوے پولیس دہلی۔
(۵۶) چوہدری ولایت حسین صاحب ٹیچر گورنمنٹ سکول بھیرہ (۵۷) ڈاکٹر غلام نبی خانصاحب [illegible]
[illegible] امریکہ (۵۸) عبدالحکیم صاحب [illegible] بہادر [illegible] (۵۹) خانصاحب ڈاکٹر
جہان خانصاحب سب اسسٹنٹ سرجن انچارج پورٹ کمپ ڈسپنسری مارگل بصرہ
عرب [illegible] (۶۰) [illegible] رجمنٹ ساگر چھاؤنی (۶۱)
منشی نواب علی خانصاحب [illegible] حیدر آباد دکن
(۶۲) فضل الٰہی صاحب خواجہ معرفت میسرز محمد امین برادرس پوسٹھ ڈھاکہ

جملہ خواتیں بنام منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین